بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیوبند سے سخاکوٹ تک

(۱۹۸۷ء میں پاکستان کے ایک یادگار سفر کی روداد)

تحریر:

محمد سلمان منصورپوری

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

پیش لفظ

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم، أما بعد!

۱۹۸۷ء کے اواخر میں راقم الحروف کو مخدوم گرامی قدر، جگر گوشۂ شیخ الاسلام، قائد ملت اسلامیہ، اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند وحال صدر جمعیۃ علماء ہند کی معیت میں پاکستان کے ایک طویل سفر کی سعادت حاصل ہوئی، جس میں بہت سے اَکابر علماء کی زیارت کا موقع ملا، اور پاکستان کے مرکزی دینی اِداروں میں حاضری نصیب ہوئی۔ یہ زمانہ مرحوم صدر جنرل ضیاء الحق کی حکومت کا آخری دور تھا، اور افغانستان میں روسی جارحیت کے خلاف جنگ جاری تھی، پاکستان میں بھی اُس کے اثرات واضح طور پر محسوس کئے جارہے تھے۔

پندرہ روزہ سفر سے واپسی کے بعد احقر نے یادداشت کے طور پر چند صفحات میں سفر کی روداد لکھی تھی، جو اُس وقت جناب احسن مفتاحی صاحب کی توجہ سے روزنامہ ''اخبار مشرق'' کلکتہ میں کئی قسطوں میں شائع ہوئی تھی۔

اَب یہ سفرنامہ ہمارے پرانے کاغذات میں نظر سے گذرا تو اندازہ ہوا کہ اُس وقت پاکستان کے جن اکابر علماء کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا، اُن میں سے اکثر اب دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں، اِس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اُس کی نوک پلک سنوار کر دوبارہ شائع کردیا جائے۔ ممکن ہے کہ شائقین کے لئے اس میں کچھ دلچسپی اور فائدے کا سامان ہو۔

اللہ تعالیٰ اِس تحریر کو قبول فرمائیں، آمین۔

احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
mansoorpuri@gmail.com

۲۰؍ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۱؍اگست ۲۰۲۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سفر کا داعیہ

ہمیں بچپن ہی سے ہندوستان کی تحریک آزادی کی تاریخ خصوصاً ''تحریک شیخ الہند'' سے خصوصی لگاؤ رہا ہے۔ ہمارے علم کے مطابق اِس وقت (۱۹۸۷ء میں) پوری دنیا میں ''تحریک شیخ الہند'' (ریشمی رومال تحریک) میں کام کرنے والے حضرات میں سے صرف دو حضرات بقید حیات ہیں، ایک سرحدی گاندھی **''خان عبدالغفار خان''** اور دوسرے **''حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ''**، اور دونوں ہی اپنی عمر کے انتہائی مراحل میں ہیں۔ اِن دو شخصیتوں میں فرق یہ ہے کہ خان عبدالغفار خان کو تحریک شیخ الہند کے صرف چند مراحل پر کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، جب کہ ثانی الذکر حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ نہ صرف یہ کہ مستقل طور پر انتہائی رازداری کے ساتھ تحریک کا کام کرتے رہے ہیں؛ بلکہ آپ کو حضرت کی شاگردی اور حضرتؒ کے ساتھ اَسارتِ مالٹا کا شرف بھی حاصل ہے۔ اِن خصوصیات میں اِس وقت پوری دنیا میں اُن کا کوئی شریک موجود نہیں ہے، اُن کے سب ساتھی ایک ایک کر کے اِس دنیا سے چلے گئے، اَب آپ ہی اپنے اسلاف کی نشانی اور واضح علامت بن کر تشریف فرما ہیں، اور منتظر ہیں کہ کب وقت موعود آئے اور وہ بھی اپنے مخدوم اَسلاف سے جاملیں۔

راقم الحروف کو آپ کی زیارت وملاقات کا بڑی مدت سے اشتیاق تھا، مگر تعلیمی مصروفیات اور اپنی بے بسی اِجازت نہیں دیتی تھی۔

چند دن قبل صوبہ سرحد پاکستان سے ایک صاحب آئے، اُنھوں نے یہ خبر سنائی کہ حضرت مولانا عزیر گل صاحب کی حالت نازک ہے، ہر وقت غشی کی کیفیت طاری رہتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اِس خبر کو سن کر اور دل بے چین ہوا، اور یہ خیال ہونے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ملاقات قسمت میں نہیں لکھی ہے۔

اِسی اُدھیڑبن میں دن گذر رہے تھے کہ معلوم ہوا کہ مخدومِ محترم حضرت اَقدس مولانا سید ارشد صاحب مدنی زیدمجدہم حضرت مولانا عزیزگل صاحب سے ہی ملاقات کے لئے پاکستان تشریف لے جارہے ہیں، خیال آیا کہ اپنا مدعا بھی عرض کریں، مگرحضرت کا رعب غالب رہا۔ بالآخر والدہ محترمہ ادام اللہ ظلہا کو واسطہ بنایا، حضرت والا نے بخوشی اپنے ساتھ سفر کی درخواست منظور فرمالی؛ چناں چہ پاسپورٹ دہلی بھیج دیا گیا، اورنومبر کے آخری ہفتہ میں سفر طے پایا۔

حضرت والا زیدمجدہم کو ہمارے ایک فاضل ساتھی مولوی سفیان عرشی صاحب کا نکاح پڑھانے کے لئے رام پور جانا تھا، چناں چہ آپ ۲۵ رنومبر کورام پور روانہ ہوگئے۔ اور ہم اور بھائی سید احمد گل صاحب (جو حضرتِ والا کے قدیم رفقاء میں ہیں) پروگرام کے مطابق ۲۷ر کا دن گذارکررات کوسہارن پوراسٹیشن پہنچ گئے، اورحضرت والا کومرادآباد سے پنجاب میل سے تشریف لانا تھا، مگروہ اتفاق سے ۹ رگھنٹے لیٹ تھی؛ چناں چہ رات میں ۵۰-۱رمنٹ پر پہنچنے کے بجائے صبح ساڑھےنو بجے سہارن پور پہنچی، ہم لوگ رات بھراسٹیشن پرٹھٹھرتے رہے۔

بہرحال سہارن پور سے پنجاب میل کے ذریعہ صبح روانہ ہوکر ساڑھے تین بجے سہ پہر امرتسر پہنچنا ہوا؛ لیکن اَب پاکستان جانے کا موقع نہ تھا؛ کیوں کہ ۴ربجے واگھہ بارڈر بند ہوجاتا ہے، اِس لئے رات اسٹیشن کےقریب ''مہرا'' نامی ہوٹل میں گذاری، اورصبح ناشتہ سے فارغ ہوکر ۹ربجے کےقریب ہم لوگ ٹیکسی سے بارڈرپہنچ گئے، ہمیں گاڑی سے اترتے ہی نیلی وردی میں ملبوس دسیوں قلیوں نے آگھیرا، جیسےکوئی بڑا شکاراُن کےنرغے میں آگیا ہو۔

کسی طرح اُن سے چھٹکارا پاکرآگے بڑھے، تو گیٹ پر کھڑے ایک شخص نے ہمیں پاسپورٹ چیک کرانے کی ہدایت کی، تھوڑی دیراُلٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد ویزے میں جھوٹ موٹ کچھ نقص کا اظہار کیا، اور کہنے لگا کہ آپ پاکستان نہیں جاسکتے اور واپس چلے جائیں۔ ہمارا سامان اُٹھانے والےقلی نے کہا کہ جناب یہ کچھ چائے پانی کی رقم لینا چاہتا ہے، اگراِس کا یہ مطالبہ پورا کردیا جائے تو آپ کے پاسپورٹ واپس مل سکتے ہیں۔ چناں چہ چندروپئے دے کراُس سے پاسپورٹ لئے اورآگے بڑھے، تو وہاں چندکرسیاں بچھی ہوئی تھیں، ہم اُن پر جاکر بیٹھ گئے، تھوڑی

دیر بعد کچھ اور مسافر بھی آ گئے، تقریباً ساڑھے دس بجے پاسپورٹ افسران آئے، بالآخر کئی مراحل سے گذر کر امیگریشن کی کارروائی مکمل ہوئی۔

پاکستان کی سرحد میں

بعد اَزاں دن کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے ہم لوگ پاکستان کی سرحد میں داخل ہوئے، شلوار قمیص میں ملبوس پاکستانی فوجیوں نے ہمارے پاسپورٹ دیکھے، تھوڑا سا آگے چلے تو ہمارے استقبال کے لئے لاہور سے آئے ہوئے حضرات: مولانا رشید میاں، مولانا محمود میاں، چودھری عبدالغنی صاحب اور دوسرے متعلقین موجود تھے، اُن سے ملاقات ہوئی، سامان ساتھ کیا، اور کسٹم آفس میں پہنچے، کسٹم افسران اِن حضرات کی وجہ سے ہمارے ساتھ نہایت اکرام سے پیش آئے۔

تھوڑی دیر بعد ہم واگھہ بارڈر سے لاہور جانے والی شاہراہ پر لاہور کی جانب رواں دواں تھے، یہ وہی شاہراہ ہے جس کو آج سے صدیوں پہلے متحدہ ہندوستان کے فرماں روا ''شیر شاہ سوری'' نے پشاور سے دہلی اور دہلی سے کلکتہ تک تعمیر کیا تھا، آج اِس کا شمار دنیا کی طویل ترین شاہراہوں میں ہوتا ہے۔

ہماری گاڑی تیزی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی، اور ہم سڑک کے دونوں طرف مناظر دیکھنے میں مصروف تھے، بالکل ویسی ہی ہریالی جیسے ہمارے ہندوستان میں ہے، وہی طرزِ تعمیر، وہی رہن سہن، وہی چہل پہل، جو ہمارے پنجاب میں دیکھنے میں آتی ہے۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ ہندوستان ایک ہی گھر تھا، جس کے بیچ میں بارڈر کی دیوار کھڑی کردی گئی تھی۔

ابھی ہم یہ سوچ ہی رہے تھے کہ ہماری گاڑی لاہور کی حدود میں داخل ہوکر لاہور کے مشہور ''مینارِ پاکستان'' کے سامنے پہنچ گئی، ساتھ میں بیٹھے لوگوں نے بتایا کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں سب سے پہلے ''قرار دادِ پاکستان'' منظور کی گئی تھی، اِس کے اِردگرد بہت بڑا میدان تھا، جہاں ہزاروں نوجوان چھوٹی چھوٹی ٹیمیں بنا کر کرکٹ کھیل کر وقت گذاری کر رہے تھے۔

دوسری طرف شہر کی عمارتیں اور دیواریں پوسٹروں اور جھنڈیوں سے بھری پڑی تھیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہاں کل بلدیاتی اِداروں کے انتخاب ہونے والے ہیں، اِس طرح کے

انتخابات پاکستان میں پہلی بار ۱۹۷۹ء میں ہوئے تھے، جس کے بعد اَب ہو رہے ہیں، اِس لئے لوگوں کا جوش وخروش دیکھنے کے قابل تھا، حالاں کہ اِن انتخابات کی زیادہ اہمیت نہیں ہے، مگر پارلیمانی انتخابات نہ ہونے کی وجہ سے اِن چھوٹے انتخابات کو بھی پاکستانی عوام بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اِس کا اندازہ ہمیں اگلے دن پولنگ اسٹیشنوں پر جمع بھاری بھیڑ سے ہوا۔ لاہور کی سڑکوں پر اُمیدواروں کی گاڑیاں دوڑ رہی تھیں؛ کیوں کہ لاؤڈ اِسپیکر سے اعلان کا وقت ختم ہو چکا تھا، اِس لئے پوسٹروں، جھنڈیوں، انتخابی نشانوں اور اُمیدواروں کی قدآدم تصاویر کے ذریعہ ووٹروں کو متوجہ کرنے میں ہر اُمیدوار دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

بعض جگہ تو بڑے عجیب وغریب مناظر دیکھنے میں آئے، کسی کا انتخابی نشان تانگہ ہے، تو اُس کے حامیوں نے اپنے بلند مکانوں کی چھت پر پورا تانگہ ہی رکھ رکھا تھا، کسی کا نشان کرسی تھا، تو اُس نے اپنی گشتی گاڑی پر خوب صورت سی کرسی فٹ کرا رکھی تھی، کسی کو شیر کا نشان ملا تھا، تو اُس نے شیر کے مجسمے بنا کر چوراہوں وغیرہ پر رکھوادئے تھے۔ الغرض عجیب سی چہل پہل پورے شہر میں نظر آتی تھی۔

حضرت مولانا سید حامد میاں صاحبؒ سے ملاقات

ہم اِن مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے تقریباً ایک بجے اپنی قیام گاہ ''جامعہ مدنیہ راوی روڈ'' پہنچے۔ ہمارے اصل میزبان حضرت اَقدس مولانا سید حامد میاں صاحب زیدمجدہم اُس وقت بخاری شریف کا درس دے رہے تھے، آپ تھوڑی دیر بعد تشریف لائے، نہایت خوب صورت چہرہ، رگ وپئے سے وقار ٹپکتا ہوا، سنجیدگی اور متانت کا ایک پیکر جمیل ہمارے سامنے تھا۔ آپ معروف مصنف، مؤرخ اسلام سید الملت حضرت مولانا مفتی سید محمد میاں صاحب نوراللہ مرقدہٗ سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند کے بڑے صاحب زادے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے خلیفہ اجل ہیں، پاکستان کے علماء میں بڑی اہمیت کے حامل اور اِس وقت جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے امیر محترم ہیں۔ اصابت رائے، فکر کی پختگی، میانہ روی اور حسن خلق میں اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ تقسیم ہند کے بعد افغانستان جانے کے اِرادے سے

دیو بند سے چلے تھے، مگر کسی وجہ سے لاہور میں رک گئے، اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ آپ نے یہاں ''جامعہ مدنیہ'' قائم کیا، جس میں دورۂ حدیث شریف تک تعلیم ہوتی ہے۔

ہم لوگ ظہر کی نماز کے بعد کھانے سے فارغ ہوئے، اتنے میں حضرت شیخ الاسلامؒ کے خصوصی خادم مولانا یاسین صاحب خان پوری اور شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کے پوتے میاں اجمل قادری بھی تشریف لے آئے۔ یہ دونوں حضرات ۱۹۸۵ء میں شیخ الہند سیمینار کے موقع پر ہندوستان تشریف لائے تھے، اِس لئے ان سے کچھ شناسائی پہلے سے تھی۔

جامعہ اشرفیہ میں حاضری

۴ر بجے عصر کی نماز پڑھنے کے بعد ہم لوگ ''جامعہ اشرفیہ'' کے لئے روانہ ہوئے، جو لاہور کے دینی مدارس میں بلند مقام رکھتا ہے۔ یہاں ہمیں خاص طور پر حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی مدظلہ سے ملاقات کرنی تھی، آپ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فاضل صاحب زادے اور جانشین ہیں، اور اِس وقت ''جامعہ اشرفیہ'' کے شیخ الحدیث ہیں۔ موصوف گذشتہ سال دیو بند بھی تشریف لائے تھے، اور تحفظ ختم نبوت کانفرنس کے ایک اجلاس کی صدارت بھی فرمائی تھی۔ ''جامعہ اشرفیہ'' پہنچ کر اُن سے ملاقات ہوئی، بڑے تپاک سے ملے اور نہایت خوشی کا اظہار کیا۔ اور حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ کو ''تفسیر معارف القرآن اِدریسی'' مع اپنے تکملہ کے پیش کی۔

موصوف سے اِجازت لے کر مغرب سے کچھ دیر بعد ہم لوگ لاہور کے جدید علاقے ''گلشن راوی'' گئے، جہاں مولانا یاسین خان پوری کا مکان ہے، ہمیں رات کا کھانا یہیں کھانا تھا، عشاء کی جماعت کے بعد ہم لوگوں نے کھانا کھایا، کھانے میں میاں اجمل قادری اور دوسرے علماء کے علاوہ حضرت رائے پوریؒ کے خلیفہ اجل اور اِس وقت پاکستان کے سب سے مشہور خطاط حضرت شاہ سید نفیس الحسینی مدظلہ بھی شریک تھے، کھانے سے فراغت کے بعد ہم لوگ واپس ''جامعہ مدنیہ'' آگئے، جہاں پہلے ہی چند حضرات حضرت والا سے ملاقات کے منتظر تھے، آپ اُن نے بات چیت میں مصروف تھے، اور ہم اور بھائی سید ایک دوسرے کمرے میں جا کر بچھے ہوئے بستروں پر دراز ہو گئے، آنکھیں بہت دیر سے نیند کی منتظر تھیں، اِس لئے لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔

لاہور سے سفر کا آغاز

صبح اُٹھ کر فجر کی جماعت سے فراغت کے بعد تقریباً آٹھ بجے ہم لوگ ''جامعہ مدنیہ'' سے بذریعہ کار ''سخاکوٹ'' کے لئے روانہ ہوئے۔مولانا یاسین خان پوری اپنی کار اور اپنے بیٹے بھائی منور کے ہمراہ ہمارے ساتھ تھے۔اَب ہم پنجاب (پاکستان) کے نہایت زرخیز علاقے سے گذر رہے تھے،ڈبل وے شاہراہ کے دونوں طرف گنّے اور گیہوں کے علاوہ آلو کے کھیت بھی بکثرت نظر آرہے تھے۔ویسے پاکستانی پنجاب کے اِس علاقے میں گیہوں اور چاول کی پیداوار سب سے زیادہ ہوتی ہے،زرعی اعتبار سے پاکستان کے صوبوں میں پنجاب سب سے بڑا اور سب سے زیادہ پیدا کرنے والا صوبہ ہے۔یہاں تقریباً ۴رکروڑ ۱۸رلاکھ ایکڑ زمین زیرِ کاشت ہے،یہاں پاکستانی گندم کا ۹ء۷۱اور چاول کا ۹ء۵۳رفیصد حصہ پیدا ہوتا ہے۔

مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

آج پورے ملک میں بلدیاتی الیکشن کی وجہ سے ٹریفک سڑکوں پر کم تھا،اس لئے ہم جلد ہی گوجرانوالہ پہنچ گئے،جو لاہور سے تقریباً ۵۰رمیل ہے۔گوجرانوالہ پاکستان کا مشہور صنعتی شہر ہے،یہاں کے اسٹیل کے برتن پاکستان کے علاوہ غیر ممالک میں بھی مشہور ہیں۔یہاں بھی پورا شہر انتخابی رنگ میں رنگا ہوا تھا،ہر جگہ مختلف اُمیدواروں کے کیمپ اور لوگوں کی بھیڑ نظر آتی تھی،جا بجا سڑکیں انتخابی کیمپوں کی وجہ سے بند تھیں،اس لئے بہت گھوم پھر کر ہم ''مدرسہ نصرۃ العلوم'' پہنچے،جس وقت ہم مدرسہ میں داخل ہوئے،تو یہاں کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز احمد صفدر صاحب زیدمجدہم مسجد میں درس حدیث دینے میں مشغول تھے۔ایک کثیر تعداد میں تشنگانِ علوم نبوت اُن کے فیض سے دامن بھر رہے تھے۔حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ کی آمد کی اطلاع ہوتے ہی اُنہوں نے درس ختم کردیا،اور باہر تشریف لے آئے،دونوں میں پرتپاک معانقہ ہوا،ہم نے بھی موقع غنیمت جان کر مصافحے کی سعادت حاصل کی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خاں صفدر صاحب دارالعلوم دیوبند کے قدیم فاضل اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید ہیں۔موصوف ایک بلند پایہ مصنف بھی ہیں،آپ کی پچاس سے زائد علمی تحقیقی تصنیفات ہندوپاک کے علمی حلقوں میں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔آپ نے رد بدعات اور انکار تقلید کے خلاف نہایت مضبوط علمی کام کیا ہے۔

موصوف ہم لوگوں کو لے کر مدرسہ کے دفتر میں تشریف لائے، یہاں مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی موجود تھے،اور دوسرے متعلقین (مثلاً: حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب گورمانی مفتی مدرسہ،اور جناب عبدالمالک شاہ صاحب وغیرہم) بھی تشریف لے آئے،سب کے دل جذبات محبت سے لبریز تھے،مادرعلمی دارالعلوم دیوبند کے بارے میں معلومات پاکر نہایت مسرور ہوئے،اور دل سے دعائیں کی،تھوڑی دیر وہاں ٹھہرنے کے بعد تقریباً ساڑھے دس بجے ہم لوگ آگے روانہ ہوئے۔

مدرسہ محمدیہ حنفیہ جہلم

روانگی کے کچھ دیر بعد کھڑکی کے باہر جو نظر ڈالی تو ہماری سواری دریائے جہلم سے گذر رہی تھی، یہ دریا ہندوستان سے ہوتا ہوا یہاں آتا ہے،اس کے شمالی کنارے پر جہلم شہر آباد ہے، یہاں بھی ایک دیوبند کا جاں نثار علوم نبوت کی شعاعیں پھیلا رہا ہے،جس کو لوگ ''قاضی عبداللطیف'' کے نام سے جانتے پہچانتے ہیں۔شہر جہلم میں داخل ہوکر ہم اُن کے مدرسہ میں پہنچے،نہایت نورانی چہرہ، انداز گفتگو سے وقار نمایاں تھا،دیکھتے ہی حضرت مولانا سے لپٹ گئے،اور اِس نعمت غیر مترقبہ پر بے حد مسرور ہوئے۔موصوف اپنے قائم کردہ ''مدرسہ محمدیہ حنفیہ'' کے مہتمم ہیں، جہاں دورۂ حدیث تک پڑھائی ہوتی ہے۔اِس کے علاوہ اپنے گھر کے قریب تعلیم نسواں کے لئے ایک بہت بڑے ''مدرسۃ البنات'' کی بھی نگرانی کرتے ہیں، جہاں سے ہر سال سیکڑوں بچیاں حافظہ ہوکر نکلتی ہیں۔

پاکستان میں لڑکیوں کے حفظ قرآن اور تعلیم دین کا بہت زیادہ زور ہے،جگہ جگہ ''مدرسۃ البنات'' کھلے ہوئے ہیں،اور علماء کی سرپرستی میں اُن کا نظام نہایت باقاعدگی کے ساتھ چل رہا ہے۔قاضی

صاحب نے منع کرنے کے باوجود جلدی جلدی پر تکلف کھانے کا انتظام فرمالیا، اس لئے مجبوراً کھانا کھانے کے بعد ظہر پڑھتے ہی جہلم سے آگے روانہ ہوئے۔

جہلم سے تھوڑی دور چلنے کے بعد ہی پنجاب کا غیر مزروعہ رقبہ شروع ہوجاتا ہے، یہاں مٹی کے بڑے بڑے پہاڑ نما خشک تودے ہیں، اور زمین بالکل ناہموار ہے، یہ سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔ تقریباً ساڑھے تین بجے دن میں ہماری گاڑی ان دو راستوں کے درمیان میں پہنچ گئی جہاں سے ایک راستہ راولپنڈی چلا گیا ہے، اور دوسرا راستہ اسلام آباد جارہا ہے۔

راولپنڈی/اسلام آباد

راولپنڈی اور اسلام آباد دو قریبی شہر ہیں؛ بلکہ اب تو دونوں شہر اتنے قریب آگئے ہیں کہ ایک دوسرے میں امتیاز مشکل ہوجاتا ہے، صرف ایک سڑک دونوں میں حد فاصل ہے، اس کے ایک طرف اسلام آباد ہے، اور دوسری طرف راولپنڈی کا علاقہ ہے۔ تقسیم کے بعد پاکستان کی راجدھانی کراچی تھی؛ لیکن کیوں کہ وہ شہر بالکل ساحل پر آباد ہے، اس لئے ملکی حفاظت کے پیش نظر ایک نیا شہر اسلام آباد کے نام سے بسایا گیا، جو آج کل پاکستانی راجدھانی ہے۔

اسلام آباد ایک خوب صورت اور صاف ستھرا شہر ہے، اس کے اِردگرد چھوٹی چھوٹی خوشنما پہاڑیاں ہیں، اور یہاں سے چند میل کے فاصلے پر واقع ''مری'' نامی مقام سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ یہاں تین بین الاقوامی یونیورسٹیاں ہیں، یہاں کی ''فیصل مسجد'' کا شمار دنیا کی جدید ترین وسیع اور خوب صورت مساجد میں ہوتا ہے۔

راولپنڈی میں ہمارے میزبان مولانا سعید احمد خان صاحب تھے، موصوف جامعہ مدنیہ لاہور سے فراغت کے بعد آج کل اسلام آباد یونیورسٹی میں ایل ایل بی (قانون) کا کورس کررہے ہیں، وہ اپنی کار ساتھ لائے تھے، اُنھوں نے حضرت مولانا کو اپنے ساتھ بٹھالیا، جب کہ ہم اپنی کار سے اسلام آباد کے جدید ترین علاقے میں پہنچے، ہماری کار ایک خوب صورت مکان کے سامنے آکر رک گئی، اتر کر معلوم ہوا کہ یہ مولانا عبداللہ کاکاخیل صاحب کی کوٹھی ہے، جو حضرت مولانا عزیر گل صاحب کے بھتیجے

اوراُن کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا عبدالحق نافع گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحب زادے ہیں، آج کل اسلام آباد کی مشہور اسلامی یونیورسٹی میں اسلامیات کے پروفیسر ہیں۔ اُن کے والد صاحب دارالعلوم دیوبند کے ایک عرصہ تک مدرس بھی رہے ہیں، جونہایت باوقار عالم تھے۔ یہ حضرات سادات خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ دیرتک اُن کی نشست گاہ میں باتیں ہوتی رہیں، اُس کے بعد دسترخوان بچھایا گیا، حضرت مولانا عبداللہ صاحب نے انواع واقسام کے کھانے تیار کرار کھے تھے۔

کھانے سے فراغت کے بعد ہم نے محترم میزبان سے اِجازت لی، اورہم مولانا سعید خان کے ہمراہ راولپنڈی میں اُن کے دولت خانے پر پہنچے، ابھی ہم لوگوں نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی تھی، اس لئے سب سے پہلے نماز اَدا کی، اُس کے بعد سب بستر پر دراز ہو گئے۔

مولانا سعید خان ایک خوب رونوجوان اورایک بہترین ریسرچ اسکالر ہیں، موصوف کو اکابر دیوبند سے گہری دلچسپی ہے۔ آج کل حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے ''فتاویٰ رشیدیہ'' میں ذکر کئے گئے مسائل کی تخریج وتوضیح کا کام کررہے ہیں۔ دیرتک اُن سے مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں؛ لیکن وقت بلارعایت وانتظار کے گذررہا تھا، رات کے بارہ بج چکے تھے، اس لئے یہ سلسلہ منقطع کرنا پڑا، اورہم بھی اپنے بستر کی گرمائی پاکرآسودۂ خواب ہوگئے۔

رات بھرآرام سے سونے کے بعد صبح صادق سے پہلے ہی نیند نے ساتھ چھوڑ دیا، آنکھ کھول کر دیکھا تو مولانا یاسین خان پوری پہلے ہی مراقب بیٹھے ہیں، تھوڑی دیر بعد حضرت مولانا بھی کمرے سے تشریف لے آئے، صبح صادق ہوچکی تھی، اس لئے سب نے سنتیں پڑھیں، اُس کے بعد حضرت مولانا نے نماز پڑھائی۔

قاضی زاہدالحسینی (اٹک) سے ملاقات

باہر کی فضا کہرآلود تھی، اس لئے چلنے میں کچھ تاخیر ہوئی، ۸/بجے کے قریب ہم لوگ راولپنڈی سے اگلے سفر پر روانہ ہوئے۔ ۱۰/بجے کے قریب ہم لوگ ''اٹک'' پہنچے، مٹی کے پہاڑوں میں گھراہوا یہ شہر صوبہ پنجاب کا آخری ضلع ہے، یہاں پاکستانی فوج کی بہت بڑی چھاؤنی ہے، اِس

کی شمالی جانب دریائے سندھ ہے، تھوڑی دیر کے بعد ہماری کار ایک مدرسہ کے دروازے پر کھڑی تھی، جس کے سربراہ فاضل دیوبند، تلمیذ شیخ الاسلامؒ حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب ہیں، جو آج بھی آب وتاب کے ساتھ علوم نبوت پھیلانے میں مشغول ہیں۔ آپ کا ماہانہ درسِ تفسیر بہت مشہور ہے، جو اَب مرتب ہوکر ۸-۹ رجلدوں میں شائع ہوگیا ہے۔ اِسی طرح آپ کی دیگر تصنیفات مثلاً: ''رحمتِ کائنات'' اور ''تذکرۃ المفسرین'' وغیرہ ہندوپاک میں مشہور ہیں۔ آپ نے یہاں ایک عوامی لائبریری ''مدنی دارالمطالعہ'' کے نام سے قائم کر رکھی ہے، جس میں کئی ہزار کتابیں ہیں، اِس کے علاوہ مدرسۃ البنات بھی ہے۔

موصوف اِس غیر متوقع آمد سے پھولے نہیں سمارہے تھے، بار بار نہایت عقیدت ومحبت سے اپنے اُستاذ محترم حضرت شیخ الاسلامؒ کا تذکرہ فرماتے رہے۔ اِسی درمیان پرتکلف ناشتہ لگادیا گیا، اور ناشتہ سے فراغت کے بعد قاضی صاحب نے غم ناک آنکھوں سے ہمیں رخصت کیا، اور اپنے مدرسہ کے دروازے پر کھڑے ہوکر ہماری گاڑی کو دیکھتے رہے؛ تا آں کہ ہماری گاڑی دوسرے راستہ پر مڑگئی۔

چند ہی لمحات کے بعد ہماری گاڑی ''دریائے سندھ'' کے اوپر سے گذر رہی تھی، اسی دریا کے پل کے کنارے انگریز کا تعمیر کردہ وہ قلعہ ہے جس میں اُس نے تاریخ کا بھیانک ظلم دنیا کے سامنے پیش کیا تھا، اِس قلعہ کی سیڑھیاں دریا کے اندر تک اُترتی ہیں۔ اِس دریا کا پانی برف سے پگھلا ہوا ہونے کی وجہ سے نہایت ٹھنڈا اور یخ ہوتا ہے، جب کوئی فوجی جرم کرتا تھا تو انگریز اُس کو پکڑ کر اسی قلعہ میں لاتے اور قلعہ کی سیڑھیوں پر کھڑے ہوکر اُسے ٹھنڈے پانی میں ڈبکیاں دیتے تھے؛ تا آں کہ وہ اس تکلیف کی تاب نہ لاکر مرجاتا تھا۔ اِس قلعے کو دیکھ کر ہمارے رونگٹے کھڑے ہوگئے، آج یہ قلعہ کھنڈر میں تبدیل ہوکر تاریخ کے بدترین ظلم کی یاد تازہ کررہا ہے۔

صوبہ سرحد

اِس دریا کا پل پار کرتے ہی صوبہ سرحد شروع ہوجاتا ہے، صوبہ سرحد کا نام آتے ہی ہمارے ذہن میں ہندوستانی جنگ آزادی کے اولین قائد سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد سے متعلق

پڑھے ہوئے اوراق گردش کرنے لگے، جس راستہ پر ہم جارہے تھے، اُس سے ۸۵رمیل شمال کی جانب وہ بالاکوٹ ہے، جہاں سکھوں کے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بیٹے کنور شیر سنگھ کی فوج نے صحابہ کی یاد تازہ کرنے والی، اللہ کی ایک محبوب جماعت کو شہید کر کے اپنے اوپر ابدی بدبختی کی مہر ثبت کرائی تھی، اور ایک ایسی خونی تاریخ مرتب کی تھی جو رہتی دنیا تک بھلائی نہیں جاسکتی۔ بالاکوٹ کے شہیدوں کے خون سے رنگین پہاڑیاں آج بھی ان شہیدوں کی زندہ یادگار بنی ہوئی ہیں۔

اَب ہم جس علاقے سے گذر رہے تھے، یہاں کسی زمانے میں سید احمد شہیدؒ کی حکومت تھی، یہاں اسلامی نظام نافذ تھا، اِسلامی اُصول کے مطابق قاضی اور عمال مقرر تھے، مگر سکھوں کی سازش، اپنوں کی غداری اور انگریزوں کی چاپلوسی سے زیادہ دن تک یہ فضا برقرار نہ رہ سکی تھی، اور ایک منصوبہ بند سازش کے تحت ایک ہی رات میں تمام قضاۃ اور عمال کو بے دردی کے ساتھ قتل کردیا گیا تھا۔ گویا یہاں کی سرزمین کو ایک زمانے میں علماء وقت نے اپنے خون سے سینچا تھا، مگر یہاں کی قوم بے وفائی کی عادت کو چھوڑ نہ سکی تھی۔

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

ہم جوں جوں آگے بڑھ رہے تھے، سید احمد شہیدؒ کی تحریک کا میدان قریب ہوتا جارہا تھا، دن کے ۱۱ر بجے کے قریب ہماری گاڑی ایک آبادی میں داخل ہوئی۔ ہر طرف افغانی مہاجرین کی بھیڑ نظر آتی تھی، جو بازار میں خرید وفروخت میں مشغول تھے۔ ذرا اور آگے بڑھے تو سڑک کے کنارے ایک مدرسہ میں پہنچے، یہی پاکستان کا مشہور مدرسہ ''دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک'' ہے۔ ہمارے پہنچنے کی اطلاع قاضی زاہد الحسینی صاحب کے ذریعہ یہاں پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ ذمہ دار حضرات: مولانا انوار الحق، مولانا عبدالقیوم اور دوسرے حضرات منتظر تھے، گاڑی سے اترتے ہی حضرت مولانا کو اساتذہ وطلبہ کی ایک بھیڑ نے گھیرلیا۔

ہم لوگوں کے یہاں آنے کا مقصد صرف حضرت مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث مدرسہ ہذا سے ملاقات تھا۔ موصوف اس وقت مدرسہ سے گھر تشریف لے جاچکے تھے، اس لئے ہم

لوگ حضرت کے دولت خانے پر حاضر ہوئے، موصوف اپنے بالا خانے کے ایک سادہ سے کمرے میں آرام فرما تھے، نہایت ضعیف ہو چکے ہیں، آواز اور بینائی میں بھی کافی کمزوری آ گئی ہے، مگر معلوم ہوا کہ ہر روز بدستور کافی فاصلے پر واقع مدرسہ میں درس کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ آپ پاکستان کے علمی حلقوں میں اہمیت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اس ضعیف العمری میں بھی سیاسی خدمات میں سرگرم ہیں۔ آپ کافی عرصہ تک پاکستانی سینٹ کے ممبر بھی رہے، اَب اُن کے صاحب زادے مولانا سمیع الحق صاحب اُن کی جگہ ممبر ہیں۔ موصوف حضرت شیخ الاسلامؒ کے اجل تلامذہ میں سے ایک ہیں۔ آپ کا ترمذی شریف کا درس بہت مشہور ہے، آپ کے ترمذی کے درس کی تقریر ''حقائق السنن'' کے نام سے چھپنی شروع ہوگئی ہے۔

یہاں ہماری ملاقات حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی سے بھی ہوئی، جو دارالعلوم حقانیہ کے ایک ہونہار فاضل اور جامعہ کے ترجمان ''الحق'' کے مدیر معاون ہیں۔ موصوف اپنی کم عمری کے باوجود عمدہ لکھنے کا ذوق رکھتے ہیں۔ موصوف کے مقالات ہندوپاک کے علمی حلقوں میں دادِ تحسین وصول کرتے رہے ہیں، حال ہی میں موصوف نے ایک کتاب ''دفاعِ امام ابوحنیفہؒ'' لکھی ہے، جس کی گونج اِس وقت پوری علمی دنیا میں سنی جارہی ہے۔

افغان مہاجرین کی بستیاں

حضرت مولانا عبدالحق صاحب زیدمجدہم سے رخصت لے کر ہم لوگ روانہ ہوئے، عام شاہراہ پر آکر بائیں جانب جو نظر ڈالی تو کئی کلو میٹر تک پھیلا ہوا چھوٹے چھوٹے خیموں کا ایک شہر نظر آیا، معلوم ہوا کہ یہ افغان تارکین وطن مجاہدین کی بستیاں ہیں، جن کو ''افغان مہاجر قصبے'' کہا جاتا ہے۔ صوبہ سرحد میں ۲۰۰رسو ایسے قصبے ہیں، ہر قصبہ پانچ ہزار کی آبادی پر مشتمل ہے، ان مہاجر علاقوں کی نگرانی حکومت پاکستان کرتی ہے، اور طبی سہولیات، ٹرانسپورٹ بجلی وغیرہ کے علاوہ ہر مہاجر کو ۵۰ر روپئے ماہانہ حکومت کی طرف سے دئے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے آس پاس کی آبادیوں میں جاکر کاروبار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اِس خود دار قوم کی ایک خاصیت یہ ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی غریب اور نادار ہو، کبھی وہ کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں

کرسکتا، اُن لوگوں کی گھٹی میں محنت کر کے کھانا پڑا ہوا ہے، یہ اپنے کیمپوں میں پوری فوجی مشقیں کرتے ہیں، اور حسب موقع محاذ جنگ پر جاکر روسی جارحیت کے خلاف لڑتے ہیں۔ اِن بستیوں کو دور سے دیکھتے ہوئے ہم آگے نوشہرہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

مولانا مجاہدالحسینی ''نوشہرہ''

نوشہرہ میں دریائے سندھ اور دریا کابل کا سنگم ہے، یہاں حضرت شیخ الاسلامؒ کے ایک خاص شاگرد حضرت مولانا مجاہدالحسینی مدظلہ قیام پذیر ہیں، جو پاکستان کے مشہور آدم جی پیپرمل کی مسجد میں پیش اِمام ہیں۔ آدم جی کا شمار پاکستان کے بڑے سرمایہ داروں میں ہوتا ہے، کئی کلومیٹر میں پھیلا ہوا مل کا رقبہ اُس کے عظیم الشان ہونے کا آئینہ دار ہے۔

مل کی مسجد میں جس وقت ہم پہنچے تو ظہر کا وقت ہو چکا تھا، ہم لوگوں نے وضو کر کے نماز پڑھی، اس کے بعد مولانا مجاہدالحسینی کے ساتھ قریب ہی میں واقع ان کے بنگلے پر چلے گئے۔ مولانا مجاہدالحسینی صاحب بڑے دلچسپ اور تاریخی آدمی ہیں، حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے ایک عرصہ تک سفر وحضر میں ساتھ رہے ہیں۔ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ کے ہم سبق ہیں، آنکھوں کی رنگت سے ہوشیاری نمایاں ہے۔ آپ دارالعلوم دیوبند میں اُن جانباز ۶۰ رطلبہ کے لیڈر تھے، جن کا اُس وقت کے اربابِ اہتمام نے انگریز حکومت کے خلاف نعرہ لگانے کے جرم میں دارالعلوم سے اخراج کر دیا تھا۔ اس وقت حضرت شیخ الاسلامؒ نینی جیل الہ آباد میں تھے، آپ کو جب اِس واقعہ کی خبر پہنچی تو نہایت افسوس ہوا، جس کا اظہار آپ نے ممبرانِ شوریٰ اور مولانا محمد عثمان سابق چیئرمین دارالعلوم کے نام اُن مکتوبات میں کیا ہے، جو مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول میں شریک اشاعت ہیں۔ بالآخر حضرت کی کوششوں اور دوسرے ہمدردان دارالعلوم کی توجہ سے دوبارہ اُن طلبہ کا دارالعلوم میں داخلہ ہوا۔

مولانا مجاہدالحسینی اُن خوش بخت مجاہدوں میں سے ہیں، جنھوں نے آزادئ وطن کی ولی اللہی تحریک میں جی جان سے حصہ لیا۔ مولانا مجاہد صاحب کے یہاں ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی درمیان

جناب نذیر احمد صاحب تشریف لے آئے، جو حضرت مولانا نافع گل صاحب کے داماد ہیں، اور یہاں آدم جی پیپر مل میں انجینئر ہیں، موصوف بڑے سنجیدہ آدمی ہیں، دیر تک اکابر کا تذکرہ کرتے رہے۔ اتنے میں مولانا مجاہد صاحب کھانا لے آئے، کھانے سے فراغت کے بعد مولانا مجاہد الحسینی کو ساتھ لے کر ہم لوگ آگے سخاکوٹ کے لئے روانہ ہوئے۔

نوشہرہ سے مردان جانے والی شاہراہ پر شہر سے تھوڑی دور نکلنے کے بعد ہی افغان مہاجر بستیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو بہت بڑے علاقوں میں پھیلا ہوا ہے، جی چاہتا تھا کہ اندر جا کر ان مجاہدوں سے ملیں، مگر وقت کی قلت مانع رہی۔

مولانا مجاہد الحسینی نے بتایا کہ پچھلی مرتبہ جب فدائے ملت حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی مدظلہ تشریف لائے تھے، تو افغان بستیوں میں بھی تشریف لے گئے تھے، اور وہاں ایک جلسہ سے خطاب بھی کیا تھا، ہم جس راستے پر جا رہے تھے، اس کے دائیں بائیں ہرے بھرے کھیت تھے، جن میں گنے کی کاشت زیادہ تھی، تھوڑی دیر بعد ہم مردان پہنچ گئے، یہ صوبہ سرحد کا ایک بڑا ضلع ہے، اِس ضلع کے بعد ہی سے آزاد قبائل کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے، جہاں پاکستانی ملک ہونے کے باوجود ابھی تک (۱۹۸۷ء تک) وہاں کا مکمل نظام نافذ نہیں ہے۔

مردان شہر سے نکل کر ہمارا گذر ایسی بستی پر ہوا جو ایک بلند خشک پہاڑی کے دامن میں واقع تھی، اس پہاڑی کی چوٹی پر کہتے ہیں کہ مہاتما بدھ نے چلہ کشی کی ہے، اس جگہ ایک وسیع عمارت اور مختلف حویلیاں اس وقت موجود ہیں، ہم نے تو گذرتے ہوئے اس پر نگاہ ڈالی، مگر ہمارے رہبر مولانا مجاہد الحسینی اس عمارت کو دیکھے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے بتایا کہ یہ پرانے طرز کی بنی ہوئی عمارت ہے، جس میں ایک کنواں، چھوٹے چھوٹے کمرے، عبادت گاہوں کے نشانات اب بھی پائے جاتے ہیں، کہیں کہیں پرانے دروازوں کی لکڑیاں بھی دکھائی پڑتی ہیں۔

اِس منظر کو دیکھ کر ہم آگے بڑھے، دس پندرہ منٹ کے بعد ہم سخاکوٹ پہنچ گئے، یہاں کا موسم نہایت سرد تھا، ہر طرف ہلکا ہلکا کہر تھا، اور پھوار پڑ رہی تھی، یہاں تحریک آزادیٔ ہند کے ایک

نامور مجاہد راحت خان رہتے ہیں، جو حضرت شیخ الاسلامؒ سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں، ہم لوگ پہلے اُن کے یہاں گئے، اُن کے بیٹے ابوالحسن خان آج بلدیاتی الیکشن میں کامیاب ہوئے تھے، اس لئے مبارک باد دینے والوں کی ایک بھیڑ وہاں جمع تھی، اور وہ لوگ روایتی انداز میں راحت خان کو ہدیۂ تہنیت پیش کررہے تھے، راحت خان صاحب حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ سے مل کر بڑے مسرور ہوئے۔ سر پر سرحدی عمامہ باندھے ہوئے راحت خان کی عمر اِس وقت غالبًا ۹۰ رسال سے اوپر ہوگی، مگر بلاتکلف چلتے پھرتے ہیں، آپ سرخ پوش تحریک میں خان عبدالغفار خان کے دست راست رہے ہیں، علاقے میں آپ بہت زبردست حیثیت کے حامل ہیں، یہاں کے بڑے سے بڑے سرکاری افسر کو آپ کے سامنے دم مارنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ ہم لوگوں نے وہاں پہنچ کر عصر کی نماز پڑھی، اس کے بعد چائے پی کر راحت خان سے اجازت چاہی۔ موصوف نے اِس شرط پر اجازت دی کہ کل واپسی پر ناشتہ میرے یہاں ہوگا۔

حضرت مولانا عزیرگل صاحبؒ کے درِ دولت پر

اِس کے بعد ہم لوگ حضرت مولانا عزیرگل صاحب زیدمجدہم کے آبائی وطن کی طرف روانہ ہوئے، جس کو لوگ یہاں کی زبان میں ''میاں گاواں خیل'' کہتے ہیں، یہاں عام طور پر سادات کو''میاں'' کہا جاتا ہے؛ کیوں کہ یہ جگہ سادات کی آباد کردہ ہے، اِس لئے اسے مذکورہ نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ سخاکوٹ سے نکل کر کچا راستہ ہے، جو مولانا کے گاؤں پر جاکر ختم ہوتا ہے، راستے میں اونچی نیچی پگ ڈنڈیاں ہیں، چاروں طرف گنے کے ہرے بھرے کھیت ہیں، جس وقت ہم گاؤں میں داخل ہوئے تو بارش تیز ہوگئی تھی، سورج غروب ہوچکا تھا، گاؤں میں بجلی ندارد تھی، اِس لئے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ ہم لوگ کار سے اُتر کر ایک وسیع کمرے میں بیٹھ گئے، جو حضرت مولانا عزیرگل صاحب کی بیٹھک کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

ابھی ہم لوگ مغرب کی نماز سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ مولانا عزیرگل صاحب کے بڑے صاحب زادے مولانا عبدالرؤف گل صاحب تشریف لائے، موصوف مجذوب صفت آدمی ہیں۔

واضح ہو کہ حضرت مولانا عزیز گل صاحب کا پہلا نکاح دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ کے خاندان میں مولانا مشفع حسین صاحب مدرس فارسی دارالعلوم دیوبند کی ہمشیرہ سے ہوا تھا، اور اُنہیں کے بطن سے مولانا عبدالرؤوف صاحب کی پیدائش ہوئی، اِسی لئے اُن کی زبان ٹھیٹ دیوبندی ہے، اور ابھی تک دیوبند کے گلی کوچے اور ننھیالی خاندان کے اَفراد اُن کو نام بنام یاد ہیں، اور یہ سب باتیں اُن کو آج بھی ایسے مستحضر ہیں جیسے ابھی دیوبند سے آئے ہوں۔ اللہ نے بلا کی ذہانت عطا فرمائی ہے، اور اِس وقت کئی سال سے والد محترم کی دن رات خدمت کے لئے اپنے کو وقف کر رکھا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ قیام میں یہ بھی مولانا مجاہد الحسینی کے ساتھی تھے۔ رات میں دیر تک مولانا مجاہد الحسینی اور مولانا عبدالرؤف گل اپنی اپنی باتیں سناتے رہے، بیچ بیچ میں مولانا یاسین خان پوری بھی اُنہیں لقمہ دیتے رہے، مگر راقم الحروف کو سردی بہت لگ رہی تھی، اس لئے جلد ہی اپنے بستر پر کئی کلو وزنی لحاف تلے لیٹ کر محوِ خواب ہوگیا۔

صبح جب آنکھ کھلی تو نماز کا وقت قریب تھا، جلدی جلدی وضو کر کے قریبی مسجد میں نماز پڑھی، اس کے بعد باہر نکلے، آج ۲؍ دسمبر کو آسمان صاف تھا، تھوڑی دیر بعد سورج کی شعاعیں اس متبرک گاؤں کے کچے پکے مکانات کو روشن کرنے لگیں، اس گاؤں میں اکثر حضرت مولانا عزیز گل صاحب اور مولانا نافع گل صاحب کے خاندان کے مکانات ہیں، انہی کی بنائی ہوئی ایک مسجد بھی ہے، جو چھپر پوش ہے، اور سردی کی وجہ سے اس میں پرال بچھائی گئی تھی۔ اُن لوگوں کا مشغلہ زراعت ہے، بڑی بڑی جائیدادیں اس مقام کے اِردگرد پھیلی ہوئی ہیں۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر دیکھ کر ہم جب واپس اپنی قیام گاہ پہنچے تو ناشتہ تیار تھا۔

ابھی ہمارے یہاں آنے کا مقصد اصلی پورا نہیں ہوا تھا، یعنی حضرت مولانا عزیز گل صاحب سے ملاقات باقی تھی۔ آٹھ بجے کے قریب مولانا عبدالرؤف صاحب یہ خوش خبری گھر سے لے کر آئے کہ اَب ملاقات کے لئے چلیں، یہ خوش خبری سن کر ہمارے دل و دماغ عجیب وغریب جذبہ مسرت سے معمور ہوگئے، ایک مدت کی تمنا کے پورا ہونے کا وقت قریب آ گیا تھا، جوں جوں ہم

دولت خانہ کی طرف بڑھ رہے تھے، دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں، ہمارا دماغ ''تحریک شیخ الہند'' میں کھویا ہوا تھا، جس کی نسبت نے ہمیں حضرت مولانا عزیر گل صاحب سے متعارف کرایا تھا۔ یہ وہی حضرت شیخ الہندؒ کے پراعتماد شاگرد مولانا عزیر گل ہیں، جن سے آپ نے آخری مرتبہ حجاز مقدس جانے سے پہلے آزاد قبائل میں موجود اپنے نمائندوں تک پیغام رسانی کا کام لیا تھا، اور جن کی واپسی تک آپ نے اپنے سفر کو مؤخر کر دیا تھا۔

اَب ہم جاں فروشی کے پیکر، عزم و ہمت کے کوہِ گراں اور استقامت کے پتلے سے شرفِ نیاز حاصل کرنے، اُس کے بظاہر کچے مگر بباطن فدائیت سے معمور دولت کدہ کی طرف بڑھ رہے تھے، چند ہی لمحوں کے بعد ہم اس بڑے سے گھر کے صحن میں تھے، جہاں رات کی بارش کی وجہ سے زمین کیچڑ آلود تھی، بچا بچا کر قدم رکھنے پڑتے تھے۔ سامنے ہی برآمدے سے متصل حضرت مولانا عزیر گل صاحب کا قیام تھا، ہم کمرے میں داخل ہوئے، حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی نے آگے بڑھ کر مصافحہ و دست بوسی کی، اُس کے بعد راقم الحروف نے بھی مصافحہ کی سعادت حاصل کی، اور سر پر ہاتھ پھروایا - اُس وقت حضرت مولانا عزیر گل صاحب ہوش میں تھے- آواز سے حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ کو پہچان لیا (بینائی ختم ہو چکی ہے) دارالعلوم اور گھر کے احوال پوچھے، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ کی خیریت معلوم کی، اِس وقت ہماری نظریں حضرت مولانا عزیر گل صاحب کے چہرۂ انور کی طرف لگی ہوئی تھیں، نور برستا ہوا چہرہ، سردی کی وجہ سے رومال لپیٹا ہوا، ایک چارپائی پر آرام فرما تھے، آپ کے سرہانے ایک الماری میں مختلف علوم وفنون اور تاریخ کی کتابیں نہایت سلیقہ سے رکھی ہوئی تھیں۔

حضرت مولانا عزیر گل صاحب کا تعارف حضرت شیخ الاسلامؒ کی زبانی

اب آپ عمر کی اس منزل میں ہیں کہ نہ خود اُٹھ سکتے ہیں نہ ہی بینائی رہی ہے۔ تحریک کے زمانے میں بارہا موت آپ کے پاس سے گذری، مگر آپ کی قسمت ہمیشہ یاوری کرتی رہی، جب حکومت برطانیہ سے رفقائے شیخ الہندؒ کو جدہ سے لے جا کر مصر میں بند کوٹھریوں میں نظر بند کر دیا تھا،

جس سے سب کو یقین تھا کہ اب پھانسی دی جائے گی۔ حضرت مدنیؒ سفرنامہ اسیر مالٹاص:۵۴/ پر اس ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''مولوی عزیزگل صاحب تو اپنی کوٹھریوں میں رہ کر اپنی گردن اور گلے کو پھانسی کے لئے ناپتے اور دباتے تھے کہ ذرا عادت ہو جائے، اور پھانسی کے وقت یک بارگی تکلیف نہ ہو، اور تجربہ کرتے تھے کہ دیکھوں کس طرح کی تکلیف ہوتی ہے''۔

آپ نے تحریک کے لئے جو عظیم تر قربانیاں دی ہیں، وہ آپ ہی کا حصہ تھیں، اُن کی کچھ تفصیل حضرت مدنیؒ کی زبانی ملاحظہ ہو:

''مولانا عزیزگل صاحب قصبہ زیارت کا کا صاحب ضلع پشاور (آپ کا وطن اصلی جو آپ کے موجودہ وطن سے چند کوس کے فاصلے پر ہے) کے باشندے اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت شیخ الہندؒ کے خادم خاص ہیں، مشن (تحریک) کے ہمیشہ سے ممبر رہے، اور نہایت مہتم بالشان اور خطرناک اُمور کو انجام دیتے رہے۔ صوبہ سرحد اور آزاد قبائل (یاغستان) میں سفارت کی خدمات عظیمہ اُنہوں نے بہت انجام دی ہیں۔ عموماً حضرت شیخ الہندؒ ان پہاڑی علاقوں میں اپنے ہم خیال و ہم نوا لوگوں کے پاس انہیں کو بھیجا کرتے تھے، دشوار گذار اور خطرناک راستوں کو قطع کر کے نہایت راز داری اور ہمت و استقلال کے ساتھ یہ بار بار آتے جاتے رہے ہیں۔ پہاڑی علاقوں اور ہول ناک جنگلوں کو رات دن قطع کرتے رہے، حاجی ترنگ زئی صاحب اور علماء سرحد و یاغستان کو مشن کا ممبر بنایا، اور اُن کے پاس خطوط و پیغام پہچانا اُن کا اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا فریضہ تھا، جس کو ان دونوں حضرات نے اَوقاتِ مختلفہ میں انجام دیا۔ باوجودیکہ سی آئی ڈی اُن کے پیچھے لگی رہی، مگر اُنہوں نے کبھی اس کو پتہ چلنے نہیں دیا، بارہا اُن کو بھیس بدلنا اور انجانے علاقوں میں گذرنا پڑا، مگر نڈر ہو کر اُن کو قطع کیا، ہر قسم کے خطرات میں بلاخوف و خطر اپنے آپ کو ڈالتے رہے، حضرت شیخ الہندؒ کے نہایت مخلص فدائی ہیں، کسی قسم کی طمع اور غرض نفسانی نہیں رکھی، نہ حضرت سے جدا ہوئے، لوگوں نے بہت کوششیں کیں کہ یہ جدا ہو جائیں، مگر اُنہوں نے گوارا نہیں کیا، اور ہمیشہ

عاشقانہ ولولوں کے ساتھ حاضر خدمت رہے؛ حتیٰ کہ مالٹا کی اسارت میں بھی نہایت دلجمعی سے شریک ورفیق رہے، ہر قسم کی خدمت کو اپنے لئے خوش نصیبی سمجھا کئے''۔ (نقش حیات ۲/۱۹۱)

حضرت مولانا عزیر گل: انگریز کی نظر میں

حکومتِ برطانیہ کی سی آئی ڈی کے ریکارڈ میں آپ کو حکومت کے باغی کی حیثیت سے نامزد کیا گیا ہے، چناں چہ خفیہ رپورٹ میں آپ کے متعلق یہ پیراگراف درج ہے:

''عزیر گل پسر شہید گل کا کاخیل پٹھان درگاتی شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں رہتا ہے، بڑا آتشیں مزاج ہے، جب وہ دیوبند میں طالب علم تھا، اسی وقت سے مولانا محمود حسن کا پکا مرید ہوگیا تھا، بڑا اہم سازشی ہے، ہجرت کا بڑا خواہش مند ہے، اُن لوگوں میں سے ایک ہے جنہوں نے ہمیشہ مولانا کو اُکسایا ہے کہ وہ جہاد کے لئے ہجرت کرجائیں۔ وہ دیوبند میں خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا، اور ستمبر ۱۹۱۵ء میں مولانا محمود حسن کے ہمراہ عرب گیا تھا، اُس کے سفر حجاز سے قبل مولانا محمود حسن نے اُس کو آزاد علاقہ میں بھیجا تھا؛ تاکہ حاجی سیف الرحمٰن صاحب اور دوسرے منحرف لوگوں کو مطلع کرسکے کہ حضرت مولانا کا اِرادہ ہندوستان سے ہجرت کرنے کا ہے، نیز لڑائی کا اور جہاد کی تیاریوں کا مشاہدہ کرسکے۔ وہ حضرت مولانا کے ہمراہ اس وقت بھی ٹھہرا رہا، جب کہ اُن کے اکثر پیرومریدین ہندوستان کو واپس کروائے گئے، یہ کہا جاتا تھا کہ عزیر گل انور پاشا اور جمال پاشا کے فرمان لے کر عنقریب ہندوستان آئے گا، اور اس فرمان کو افغانستان لے جانا ہوگا؛ لیکن بعد کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مکہ میں شریف مکہ کے حکم سے ۲/دسمبر کو یا اس کے لگ بھگ گرفتار کرلیا گیا، اور جدہ کو بھیج دیا گیا، جہاں سے ۱۲/جنوری ۱۹۱۷ء کو اسے مصر روانہ کردیا گیا، جنودِ ربانیہ کی فہرست میں مولوی عزیر گل کا نام لے کر اسے کرنل دکھایا گیا ہے''۔ (تحریک شیخ الہند ترجمہ از رپورٹ انڈیا آفس لندن ص ۳۲)

یہ ہیں مولانا عزیر گل صاحب، جن کی مجلس میں اس وقت ہم حاضر تھے، ان کے عظیم الشان کارنامے بلاشبہ قابل رشک ہیں۔

تھوڑی دیر خدمت میں حاضری کے بعد حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ نے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھادئے، اور پوری مجلس ''مجلس دعا'' میں تبدیل ہوگئی۔ چند منٹ دعا کے بعد حضرت کی طبعیت

کا لحاظ کرتے ہوئے ہم لوگ مصافحہ کر کے باہر آ گئے، مگر دل اُنہی کی صورت وسیرت میں اٹکا رہا۔

یادداشت کے مرغولے اُٹھتے اور دل ودماغ کے پردوں کو ہلا کر واپس چلے جاتے۔ مولانا کی صورت دل پر نقش ہو چکی تھی، تحریک شیخ الہند کی ایک زندہ یادگار کی زیارت پر دل خوش تھا، مگر ابھی دل بھرا نہ تھا کہ جدائی کی نوبت آ گئی تھی۔

بہرحال اِس ملاقات پر شکر ایزدی بجالاتے ہوئے باہر نکلے، بہت صاف دھوپ نکلی ہوئی تھی، مگر ہوا بدستور برفیلی تھی، سامنے سوات کی سفید برف پوش پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں، نہایت خوب صورت منظر تھا، ہماری قیام گاہ کے سامنے چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے مولانا کے خاندان کے ارکان دھوپ کا مزہ لے رہے تھے، ہم بھی جا کر وہیں بیٹھ گئے، تھوڑی دیر بعد قہوہ لایا گیا، جو یہاں سردیوں کا خاص تحفہ مانا جاتا ہے، اس کو الائچی اور کچھ دوسرے اجزاء ملا کر بنایا جاتا ہے۔

مدرصاحبہ کی قبر پر حاضری

قہوہ پینے کے بعد ہم لوگ اِس مبارک گاؤں سے رخصت ہو کر سخاکوٹ کے لئے روانہ ہوئے، صبح کے تقریباً ساڑھے نو بج رہے تھے، مولانا عبدالرؤف صاحب دوسری کار میں ہمارے ساتھ تھے۔ اَب ہم دوسرے راستے سے واپس جارہے تھے؛ کیوں کہ راستہ میں ہمیں کچھ مزارات کی زیارت کرنی تھی۔ چند ہی منٹوں کے بعد ہماری گاڑی ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں کھڑی تھی، سب لوگ گاڑی سے اُتر کر پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گئے، وہاں دوتین قبریں تھیں، جن میں ایک قبر اُس خوش قسمت میم کی بھی تھی، جس نے برطانوی شاہی خاندان کے ایک فرد ہونے کے باوجود تمام دنیوی نعمتوں کو پس پشت ڈال کر اسلام قبول کیا تھا، اور پھر اپنے کو حضرت مولانا عزیرگل صاحب کی زوجیت میں دے دیا تھا۔ مولانا عبدالرؤف صاحب اُن کو ''مدرصاحبہ'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

بعض بدقسمت اِس نکاح کی وجہ سے حضرت مولانا عزیرگل صاحب زیدمجدہم پر انگریز سے چاپلوسی کا الزام لگاتے ہیں، اور اس نکاح کو اسی کا انعام قرار دیتے ہیں۔ اِس نکاح کی تفصیل مولانا عبدالرؤف صاحب نے سنائی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''جس وقت حضرت مولانا عزیرگل

صاحب مدرسہ رحمانیہ روڑکی میں صدر مدرس تھے، یہ میم صاحبہ بھی روڑکی میں رہتی تھیں، اُن کے شوہر کا انتقال ہوگیا تھا، بڑی ذی علم اور مطالعہ کی شوقین تھیں، انہیں اسلامی معلومات حاصل کرنے کا شوق ہوا، اس کے لئے اُن کی نظر مولانا عزیرگل صاحب پر پڑی، مولانا کو شروع میں تامل تھا، دیوبند آکر حضرت شیخ الاسلامؒ سے واقعہ ذکر کیا، حضرت نے اُن کو تعلیم دینے کی تاکید کی، چند دن پڑھنے کے بعد اُن میم صاحبہ نے خود ہی نکاح کی خواہش ظاہر کی، مولانا نے فرمایا کہ میں مسلمان اور آپ عیسائی ہیں، میں آپ سے کیسے نکاح کرسکتا ہوں؟ بالآخر اُنہوں نے حضرت شیخ الاسلامؒ کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا، پھر اُن کا نکاح حضرت مولانا عزیرگل صاحب سے ہوگیا''۔

اسلام قبول کرنے کے بعد مرحومہ سختی سے پردے کی پابند ہوگئی تھیں، تلاوت اور اَوراد ووَظائف میں وقت گذاری کرتی تھیں، شاہانہ ٹھاٹ باٹ چھوڑ کر مولانا عزیرگل صاحب کے ساتھ ایک تنگ مکان میں رہنا پسند کیا، اور جب تقسیم کے وقت مولانا اپنے آبائی علاقہ میں آئے، تو وہ بھی ساتھ آگئیں، اور بالآخر یہیں رہتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ اُنہوں نے اپنی سوتیلی اولاد (مولانا عبدالرؤف اور اُن کی ہمشیرہ و بھائی) کے ساتھ بالکل حقیقی ماں جیسا سلوک کیا، اُن کی قبر جس پہاڑی پر واقع ہے، اُس کے سامنے ایک جھرنا بہتا ہے، قریبی پہاڑیوں سے گذر کر ایک نالا آرہا ہے، ہرطرف ہریالی ہی ہریالی ہے، نہایت خوش نما منظر معلوم ہوتا ہے۔

قبر پر فاتحہ پڑھنے کے بعد ہم لوگ نیچے اُترے، تو آگے دس قدم کے فاصلے پر ایک احاطہ میں مولانا نافع گل صاحبؒ اور اُن کے خاندان کی کچھ قبریں ہیں، وہاں بھی فاتحہ پڑھی، اُس کے بعد آگے روانہ ہوئے۔ جس وقت ہم لوگ حسب وعدہ سخاکوٹ میں راحت خان کے مکان میں پہنچے، تو ۱۰ ربج چکے تھے، ناشتہ ایک کمرے میں لگا ہوا تھا، ہم لوگ وہیں جاکر بیٹھ گئے۔ اِس محفل میں راحت خان کے علاوہ اُن کے خاندان کے معزز افراد بھی شریک تھے۔

ناشتہ کے بعد ہم لوگ مولانا عبدالرؤف کی دوکان پر گئے، جہاں ایک پیٹی میں کچھ چائے کی پتی رکھی ہوئی تھی، اور بقیہ پوری دوکان میں کاغذات بکھرے پڑے تھے، انہی کاغذات میں

سے تلاش کر کے موصوف نے مولانا عزیز گل صاحب کے نام حضرت شیخ الاسلامؒ کے چند مکاتیب نکال کر دئے، اُس وقت وہاں بجلی غائب تھی، اس لئے فوٹو اسٹیٹ نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے وہ مکتوبات بحفاظت واپسی کا وعدہ کر کے ساتھ رکھ لئے۔

چارسدہ

کچھ دیر یہاں کا بازار دیکھنے کے بعد ہم لوگ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے سخاکوٹ سے پشاور کے لئے روانہ ہوئے۔ راستے میں ہمارا گذر تحصیل ''چارسدہ'' سے بھی ہوا، اور مولانا یاسین خان پوری نے اُس وسیع میدان کی بھی نشان دہی کی جہاں ایک زمانے میں سید احمد شہیدؒ کے ہمراہ کئی لاکھ افراد نے جمع ہو کر انگریزوں کے خلاف جنگ کا بگل بجایا تھا، یہ میدان آج قبرستان میں تبدیل ہو چکا ہے۔ صوبہ سرحد کی سڑکیں بہت عمدہ ہیں، راستے میں اکثر جگہ تمباکو اور گنے کی کاشت دکھائی دی، کہیں کہیں کھڑے کولہوؤں کی بھی زیارت ہوئی، جن سے گڑ کی خوشبو دھوئیں کے ساتھ نکل کر فضا کو گرد آلود کر رہی تھی۔

مولانا ایوب جان صاحب بنوری پشاور

جس وقت ہم پشاور میں داخل ہو رہے تھے، تو سڑک کے کنارے ایک وسیع عمارت دکھائی دی، جس کی چھتوں اور دروازوں پر مسلح باریش جوان پوزیشن لئے بیٹھے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ افغان مجاہدین کی سب سے بڑی تنظیم کے قائد مولانا نذیر اللہ صاحب کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ پشاور پہنچ کر وسط شہر میں واقع حضرت مولانا ایوب جان بنوری مدظلہ کی دوکان پر گئے، موصوف دوکان پر موجود تھے، اپنے ساتھ دولت خانے پر لے گئے، مولانا ایوب جان صاحب حضرت شیخ الاسلامؒ کے شاگرد، صوبہ سرحد کے مشہور مدرسہ دارالعلوم صوبہ سرحد کے مہتمم اور صوبہ کی جمعیۃ علماء اسلام کے امیر ہیں۔ محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ آپ کے نسبتی بھائی تھے، علاقہ کے دینی حلقوں میں آپ کا بڑا اثر ہے، اور ضعیف العمری کے باوجود کسی بھی دینی خدمت سے پیچھے نہیں رہتے۔

ہم لوگوں کے کپڑے مسلسل سفر کی وجہ سے کافی میلے اور گرد آلود ہو گئے تھے، اس لئے

موصوف کے دولت خانے پر پہنچ کر کپڑے بدلے، اس کے بعد نماز سے فراغت کے بعد کھانا کھایا، پھر ہم اور بھائی سید گل صاحب کچھ دیر کے لئے بازار گئے، یہاں متحدہ ہندوستان کا مشہور ''قصہ خوانی بازار'' ہے، جہاں انگریز کے پنجہ استبداد نے تاریخ کے بھیانک ظلم کو روا رکھ کر اس بھرے بازار میں موجود بھیڑ کو گولیوں سے بھون ڈالا تھا، جس سے نکلی ہوئی خون کی چھینٹوں نے اُس وقت کے مجاہدین حریت کے جذبات میں جلتی پر تیل کا کام کیا تھا، اور محبانِ وطن کے قلوب انگریزی استعمار سے سخت متنفر ہوگئے تھے۔ یہ تاریخی بازار اور یہاں کی مشہور یادگار چوک اسی ظلم کی زندہ یادگار ہے، مغرب کے قریب ہم لوگ بازار سے واپس ہوئے۔

اس کے بعد حضرت مولانا بنوری مدظلہ کے یہاں سے اگلے سفر پر روانہ ہوئے، راستے میں پشاور کے خیبر بازار میں دارالعلوم دیوبند کے ایک فاضل مولانا فضل المنان صاحب سے ملاقات ہوئی، موصوف کا یہاں بہت بڑا کتب خانہ ''یونیورسٹی بک ایجنسی'' کے نام سے ہے، آپ بھی مولانا مجاہد الحسینی کے دارالعلوم دیوبند کے ساتھی ہیں۔ تھوڑی دیر اُن کے کتب خانے میں بیٹھ کر ہم لوگ آگے بڑھے، جس وقت ہم پشاور کی حدود سے باہر ہوئے، تو رات کے ۸/ بج رہے تھے، ہمیں رات راولپنڈی سے آگے چکوال نامی شہر میں گذارنی تھی، مگر راولپنڈی پہنچتے پہنچتے رات کے ساڑھے دس بج گئے، آگے دو گھنٹے کا سفر اور تھا، اس لئے طے کیا کہ رات یہیں گذاری جائے، مگر مشکل یہ تھی کہ ہمیں مولانا سعید خان کے گھر کا صحیح راستہ معلوم نہ تھا، فضا کہر آلود تھی؛ البتہ اُن کا فون نمبر ہمارے پاس تھا، ایک پیٹرول پمپ سے اُن کو فون کیا، چناں چہ مولانا سعید خان صاحب نے اپنے دو ساتھیوں کو ہمیں لینے کے لئے بھیج دیا، جن کے ہمراہ جا کر ہم لوگ ۱۱/ بجے کے قریب موصوف کے دولت کدہ پر پہنچے۔

حضرت قاضی مظہر حسین صاحب (چکوال) کی خدمت میں حاضری

صبح ۳/ دسمبر کو اول وقت نماز پڑھ کر ہم لوگ ساڑھے چھ بجے کے قریب راولپنڈی سے روانہ ہوکر تقریباً ساڑھے آٹھ بجے چکوال پہنچے، یہاں حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کے خلیفہ اجل

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب زید مجدہم رہتے ہیں، ہمارے یہاں پہنچنے کی اطلاع اُن تک پہنچ چکی تھی، اُن کے خدام کی ایک جھنڈا بردار کار شہر میں داخل ہوتے ہی ہمیں مل گئی، اور ہماری رہبری کرنے لگی۔ تنگ گلیوں سے ہوکر ہم جب قاضی صاحب کے نوتعمیر شدہ مدرسہ میں داخل ہوئے، تو مدرسہ کے طلبہ اور خدام اہل سنت فورس کے ارکان نے خلافت راشدہ، حق چار یار، نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کے نعروں کے ساتھ حضرت مولانا کا استقبال کیا۔ سب کے چہرے جذباتِ مسرت سے تمتمار ہے تھے۔ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ بالائی منزل کے ایک کمرے میں جا کر تشریف فرما ہوئے، جہاں مدرسہ کے اَساتذہ وذمہ داران کے علاوہ شہر کے کچھ متعلقین مولانا سے ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے، تھوڑی دیر بعد حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ بھی تشریف لے آئے۔

نحیف ونا تواں جسم؛ مگر چہرے سے نورانیت ٹپکتی ہوئی۔ یہ ہیں پاکستان کے تحریک خدام اہل سنت کے امیر قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ؛ جن کا نام سن کر پاکستان کے اہل باطل تھرا جاتے ہیں۔ قاضی صاحب نے یہاں فتنۂ سبائیت کے خلاف ایسا ہی کام کیا ہے، جیسے ہندوستان میں امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ نے کیا تھا۔ آپ کی رگ وپے میں رافضیت اور مودودیت کی مخالفت رچی اور بسی ہوئی ہے، آپ کی تحریک خدام اہل سنت بڑی کامیاب ہے، آپ نے اس مقصد کے لئے ایک خدام فورس تشکیل دے رکھی ہے، جس کا باقاعدہ الگ لباس ہے، جس کے موقع بموقع ماہانہ وہفتہ واری کیمپ لگتے ہیں۔ قاضی صاحب کے اِردگرد بے شمار ایسے جاں نثار جمع ہیں جو اُن کی ایک آواز پر سر کٹانے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ آپ اپنی اِس تحریک کے سلسلے میں متعدد بار جیل بھی جا چکے ہیں، مگر آپ نے کبھی ہمت وجرأت کا دامن نہ چھوڑا، یہ جرأت آپ کو اپنے شیخ سے ورثہ میں ملی ہے۔ آپ کا مدرسہ اِس وقت بہت کم جگہ پر ہے، اس کے لئے شہر کے باہر دوسری جگہ خریدی جا چکی ہے، مگر صرف اِس وجہ سے اس تنگ جگہ کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں کہ اس مدرسہ کے متصل شیعوں کا اِمام باڑہ ہے، اگر یہاں سے دور چلے گئے تو ان سبائیوں کو کون لگام دے

گا؟ روافض کے سلسلے میں اُن کے غیر متزلزل نقطۂ نظر کی وجہ سے کچھ لوگ آپ سے نالاں بھی رہتے ہیں، مگر آپ کسی کی پروانہ کرتے ہوئے اپنے مشن میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ قاضی صاحب شیعوں اور مودودیوں سے سیاسی سطح پر بھی اتحاد کے سخت مخالف ہیں، اور الیکشن میں براہِ راست اپنی تحریک کے اُمیدوار اپنے اثر والے علاقوں میں کھڑے کرتے ہیں۔

تحریک کے علاوہ آپ سلسلہ اِرادت وبیعت میں بھی اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ آپ کے متوسلین کا حلقہ بہت وسیع ہے، آپ کے بعض خلفاء بھی اپنی اپنی جگہ پر ٹھوس کام کررہے ہیں۔ موصوف دیر تک مجلس میں بیٹھے باتیں کرتے رہے، پھر ہم لوگوں نے ناشتہ کیا۔

اُس کے بعد تقریباً ساڑھے دس بجے چکوال سے روانہ ہوئے، حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی کو رخصت کرنے کے لئے قاضی صاحب بھی اپنی کار کے ساتھ ۲۰-۲۵ رکلومیٹر تک ساتھ آئے، اس کے بعد واپس تشریف لے گئے۔

''خدام الدین لاہور'' میں نشست

اَب ہم لوگ واپس لاہور جارہے تھے، عصر کے وقت تک وہاں پہنچنا تھا؛ کیوں کہ عصر کے بعد خدام الدین شیرانوالہ گیٹ میں شاہ ولی اللہ سوسائٹی کے ایک جلسہ میں شرکت کا وعدہ تھا۔ ہم لوگوں نے ظہر کی نماز گوجرانوالہ میں ایک مدرسہ میں اَدا کی، اس کے بعد وہاں سے چل کر پونے چار بجے کے قریب ''خدام الدین'' شیرانوالہ گیٹ لاہور پہنچ گئے۔ میاں اجمل قادری صاحب اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ہمارے منتظر تھے، عصر کے بعد شاہ ولی اللہ سوسائٹی کا جلسہ ہوا، جس میں مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ کے علاوہ پنجاب یونیورسٹی کے ڈاکٹر اسلم صاحب اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے داماد مولانا اعجاز قاسمی وغیرہ شریک تھے۔ ڈاکٹر اسلم صاحب کے استقبالیہ خطاب کے بعد حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ نے مختصر سی تقریر فرمائی، جس میں سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی نصیحتوں کی نہایت شگفتہ انداز میں تشریح فرمائی۔

مغرب کے بعد ہم لوگ میاں اجمل قادری صاحب کے دولت خانے پر گئے، یہ وہی متبرک

مکان تھا جہاں سے لاہور کے مجدد تحریک شیخ الہندؒ کے ایک فعال رکن مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے نورنظر شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ نے سکونت اختیار کی تھی۔ لاہور کی خوش قسمتی کہیے کہ اس کو دہریت اور لادینیت کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی صورت میں ایک ایسا رہبر ملا تھا، جس نے معاشرہ کو سیدھی راہ دکھانے میں اپنا بے مثال کردار پیش کیا تھا۔

آپ نے لاہور میں انجمن خدام الدین قائم فرمائی، اوراس کے ذریعہ خالص اصلاحی انداز میں خدمت دین کر کے ہزاروں نہیں؛ بلکہ لاکھوں گمراہوں کو صراطِ مستقیم کی طرف کھینچ لائے۔

اللہ نے آپ کو آپ کے بلند پایہ اخلاص کی وجہ سے یہ مقبولیت عطا فرمائی تھی کہ آپ کا ہفتہ واری رسالہ ''خدام الدین'' آپ کے زمانے میں ۴۵؍ ہزار سے زیادہ چھپ کر ہندو پاک کے چپے چپے میں پہنچتا تھا، جس میں خالص وعظ ونصیحت کے مضامین ہوتے تھے۔ اِس دور میں وسائل اور دولت کی بھر مار ہونے کے باوجود کسی دینی مجلّہ کو اتنی مقبولیت حاصل نہیں تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ لاہور میں پیدا ہونے والی نسلیں قیامت تک اپنے اس عظیم محسن کی رہین منت رہیں گی۔ آج لاہور میں نظر آنے والی علومِ نبوت کی کرنیں کسی نہ کسی درجہ میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا فیض ہے۔

حضرت لاہوریؒ کے انتقال کے بعد آپ کے صاحب زادے مولانا عبیداللہ انور صاحبؒ اپنے عظیم والد کی قائم مقامی کا فریضہ نبھاتے ہوئے لاہور کی دینی افق پر ستارے بن کر چھاتے رہے، اور اُن کے بعد میاں اجمل قادری صاحب اپنے والد ماجد اور جد امجد کی میراث کی حفاظت میں مصروف نظر آتے ہیں۔ میاں صاحب نے پرتکلف عشائیہ کا انتظام کر رکھا تھا، کھانے سے فراغت کے بعد ہم لوگ وہاں سے رخصت ہو کر اپنی قیام گاہ ''جامعہ مدنیہ'' آ گئے۔ حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب زید مجدہم سے عشا کے بعد ملاقات ہوئی، سفر کی تفصیل معلوم کی، پھر ہم لوگ اپنے کمرے میں جا کر سو گئے۔

جامعہ مدنیہ جدید کا معائنہ

جب نیند نے ساتھ چھوڑا تو ۴؍ دسمبر ۱۹۸۷ء جمعہ کی صبح صادق ہو چکی تھی، اُٹھ کر وضو کیا،

فجر کی نماز سے فارغ ہوئے، اُس کے بعد تقریباً ۱۰ / بجے دن میں ہم لوگ جامعہ مدنیہ کی جدید تعمیر کی جگہ دیکھنے گئے، جو مشہور تبلیغی مرکز رائیونڈ کے قریب واقع ہے۔

تھوڑی دیر بعد ہم اس مقام پر پہنچ گئے، جہاں جامعہ مدنیہ کی جدید تعمیر کا منصوبہ پیش نظر ہے، یہ جگہ تقریباً ۴۰/ ایکڑ زمین پر مشتمل ہے، فی الحال وہاں ایک چھوٹی سی مسجد اور درجہ حفظ کی چند درس گاہیں بنائی گئی ہیں، جن میں تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ نے میدان میں کھڑے ہوکر دعا کرائی، اس کے بعد ہم لوگ واپس جامعہ مدنیہ لاہور آ گئے، جمعہ کا وقت قریب تھا، اِس لئے نہانے دھونے کے بعد مسجد کی راہ لی۔ آج جامعہ مدنیہ میں حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ کے خطبہ دینے کا اعلان کیا گیا تھا، اس لئے معمول سے زیادہ شائقین مسجد میں آئے تھے۔ نماز سے فراغت کے بعد کھانا کھایا۔

لاہور کی سیر

اس کے بعد تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ سے اِجازت لے کر ہم اور بھائی سید صاحب جناب مولانا رشید میاں اور مسعود میاں کے ہمراہ لاہور کی سیر پر روانہ ہوئے۔

لاہور ایک بہت قدیم شہر ہے، کہتے ہیں کہ اسے ہندوؤں کے اوتار ''رام چندر جی'' کے بیٹے نے بسایا تھا۔ یہ شہر اپنے جلو میں بڑی بڑی تاریخیں رکھتا ہے، وہ جس طرح تحریک آزادی کا عظیم مرکز رہا، جمعیۃ علماء ہند کا تاریخی اجلاس اس شہر میں ہوا۔ اسی طرح علامہ اقبال کی وجہ سے تحریک پاکستان کا بھی سب سے سرگرم ممبر رہا۔ اِس شہر نے مجلس احرار کے جوانوں کی فدائیت بھی دیکھی، اور تحفظ ختم نبوت کے پروانوں کے سربستہ جذبات وحمیت دینی کا بھی قریب سے مشاہدہ کیا۔ آج بھی پاکستانیوں کو یہ یقین ہے کہ لاہور سے جو بھی تحریک اُٹھتی ہے اُس کا اثر پورے پاکستان پر پڑتا ہے۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی اثر انگیز تقریریں بھی اس نے سنیں، اور مولانا احمد علی لاہوریؒ کے درس ہائے قرآن بھی اس نے اپنے دل پر نقش کئے۔ ہمارے پاس وقت کم تھا، اس

لئے ''مینار پاکستان'' یہاں کے بجلی کے محکمہ کا صدر دفتر ''واپڈا ہاؤس'' اور ''پرانے قلعے'' کا دور سے نظارہ کرتے ہوئے عصر کی نماز راستہ کی ایک مسجد میں پڑھ کر یہاں کے مشہور ''شالیمار باغ'' میں پہنچے، جو مغل دور کی ایک یادگار ہے، مگر حکومت کی مناسب توجہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی خوب صورتی ماند پڑنے لگی ہے۔

شالیمار باغ میں گھومتے گھومتے مغرب کا وقت ہوگیا تھا، اِس لئے وہیں گھاس پر نماز پڑھی۔ پھر واپس جامعہ مدنیہ لوٹ آئے۔

۵/دسمبر کو بازار جانے کا پروگرام تھا، صبح ساڑھے نو بجے کے قریب ہم جانے کی تیاری ہی کرر ہے تھے کہ مولانا عبدالقادر آزاد صاحب تشریف لے آئے، موصوف یہاں لاہور کی شاہی مسجد کے خطیب، مجلس علماء پاکستان کے صدر اور پاکستانی علماء میں باوقار شخصیت کے حامل ہیں۔ حق نوازی آپ کی سرشت میں داخل ہے، پاکستان کے ۲۳/ویں گریڈ کے سرکاری ملازم ہونے کے باوجود حکومت کے خلاف حق بات کہنے سے نہیں چوکتے۔ ایرانی انقلاب کی مخالفت کے سلسلے میں آپ کی خدمات قابل قدر ہیں۔ رابطہ عالم اسلامی کے ممبر ہیں، اور صدر جنرل ضیاء الحق کے بہت قریب سمجھے جاتے ہیں۔ موصوف کچھ دیر بعد رات میں اپنے دولت خانے پر کھانے کی دعوت دے کر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد ہم لوگ قاری محمد عثمان صاحب اُستاذ جامعہ مدنیہ اور جناب محمود میاں صاحب کے ہمراہ بازار گئے۔ انارکلی اور شاہ عالم مارکیٹ یہاں کے بڑے اور مشہور بازار ہیں، اور کپڑوں کی عظیم الشان ''اعظم کلاتھ مارکیٹ'' پورے پاکستان میں مشہور ہے۔ بلا مبالغہ ان تنگ گلیوں میں واقع مارکیٹ میں ہزار ہا ہزار تھوک ریشمی وسوتی کپڑوں کی دوکانیں ہیں، اور یہاں ہر طرح کا کپڑا ہندوستان کے مقابلے میں نہایت سستے داموں میں دستیاب ہے۔ ہم لوگوں نے پہلے اس بازار سے کچھ خریداری کی، اس کے بعد ''شاہ عالم مارکیٹ'' سے کچھ چیزیں لیتے ہوئے ظہر کے وقت جامعہ مدنیہ واپس آئے۔

عصر کے بعد اقبال ٹاؤن میں قاری نذیر صاحب کی مدنی مسجد میں جانے کا وعدہ تھا، مگر

ملنے والوں کی وجہ سے تاخیر ہوگئی اور ہم لوگ مغرب بعد وہاں پہنچ سکے۔ قاری نذیر صاحب جو اس مسجد میں پیش امام ہیں، لاہور جمعیۃ علماء اسلام کے سرگرم ممبر ہیں، اُنھوں نے بہت سے متعلقین کو جمع کرر کھا تھا۔ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی زید مجدہم نے دارالعلوم دیو بند کی ترقیات اور اُس کے شستہ وشائستہ نظام سے اُن کو مطلع کیا، جس سے وہ لوگ بڑے مسرور ہوئے۔ عشاء کے بعد اُسی مسجد میں حضرت مولانا نے کچھ دیر تقریر فرمائی۔

مولانا عبدالقادر آزاد کی دعوت

اس کے بعد ہم لوگ مولانا عبدالقادر آزاد کی کوٹھی پر گئے، جو شاہی مسجد کے بالکل قریب واقع ہے۔ مولانا آزاد کی دعوتِ طعام میں شاہ نفیس الحسینی صاحب کے علاوہ جمعیۃ علماء اسلام کے امیر شاہ گیلانی صاحب گوجرانوالہ کے عبدالمالک شاہ، مولانا یاسین خان پوری اور پاکستان میں ماہنامہ دارالعلوم کے نمائندہ مظفر گڈھ کے مولانا عبدالستار صاحب، نیز مجلس علماء پاکستان میں مبعوث ایک مصری عالم بھی تھے۔ کھانے کے بعد دیر تک مجلس رہی، مولانا آزاد اپنے ملی کارنامے سناتے رہے، اس کے بعد ہم لوگ واپس آ گئے۔

کراچی کا سفر

اگلے دن ۶ ردسمبر کو شام تین بجے تیز گام ایکس پریس سے کراچی جانے کے لئے ہماری سیٹیں ریزرو ہو چکی تھیں؛ لہٰذا صبح ضروری کاموں سے فراغت اور سفر کی تیاری کے بعد سہ پہر تین بجے ہم لاہور ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے، وہی ہما ہمی جو بڑے اسٹیشنوں پر دیکھنے میں آتی ہے، وہی پروپیگنڈے کا انداز جو پبلک مقامات کا خاصہ ہے، ہرے رنگ کے بیچ میں پیلے رنگ کی پٹی پر مشتمل پاکستان ریلوے کے ڈبے پلیٹ فارم پر کھڑے تھے۔ تیز گام ایکس پریس بھی آ چکی تھی۔

یہ گاڑی پاکستان میں ''شالیمار ایکسپریس'' کے بعد سب سے تیز رفتار ٹرین ہے، یہ پشاور سے چل کر کراچی جاتی ہے، ہمارے ٹکٹ فرسٹ کلاس کے تھے، ڈبے اچھے ہیں، سیٹیں بھی گدے

دار ہیں، اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اُنہیں غیر مما لک سے برآمد کیا گیا ہے۔ ہر کیبن میں پانی اور باتھ روم کی سہولت تھی، پاکستانی مواصلات میں ریلوے کو بڑا اہم مقام حاصل ہے۔ موجودہ پاکستان ریلوے کا نام قیام پاکستان سے پہلے ''نارتھ ویسٹرن ریلوے'' تھا۔۱۹۶۲ء میں اسے ''پاکستان ویسٹرن ریلوے'' کے نام سے اور ۱۹۷۴ء میں اسے ''پاکستان ریلوے'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔ پاکستان میں ۱۳/سال پہلے قائم شدہ وزارت ریلوے ہے، جو ریلوے کی نگرانی کرتی ہے، اس وقت پاکستان میں تقریباً نوسو سے زیادہ ریلوے اسٹیشن ہیں، کہیں کہیں بجلی سے بھی ٹرینیں چلتی ہیں؛ لیکن ہمارے ہندوستان کے مقابلے میں پاک ریلوے ابھی بہت پیچھے ہے، اور سروس بھی بمقابلہ ہند کے ناقص ہے، حکومت پاکستان اب خصوصی طور سے اس پر توجہ دے رہی ہے۔

بہر حال ہم اپنی کیبن میں سوار ہو گئے، ٹرین اپنے وقت سے ایک گھنٹہ بعد تقریباً ۴/بجے لاہور سے روانہ ہوئی، لاہور سے اگلا اسٹیشن رائیونڈ ہے، یہ پاکستان کا سب سے بڑا تبلیغی مرکز ہے، یہاں ہر سال ایک عظیم الشان تبلیغی اجتماع ہوتا ہے، جس میں مختلف مما لک سے لاکھوں فرزندانِ توحید جمع ہوتے ہیں۔ پلیٹ فارم جانے والی جماعتوں سے بھرا ہوا تھا، جو کسی دوسری گاڑی کے انتظار میں کھڑے تھے۔ یہاں سے روزانہ سیکڑوں جماعتیں تبلیغ دین کے لئے نکلتی ہیں۔ تیز گام ایکس پریس واقعی تیز گام تھی، رائیونڈ سے چل کر وہ ساہیوال رکی، جو یہاں سے تقریباً سوا سو کلومیٹر پر واقع ہے۔ ساہیوال کا اسٹیشن آتے ہی ہمارا ذہن حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدیؒ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کی سب سے بہتر نمائندگی کرنے والے رسالہ ''الرشید ساہیوال'' کے مدیر اعلیٰ اور جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے ناظم اعلیٰ اور اکابرین دارالعلوم کے عاشق اعلیٰ تھے۔ اُنہوں نے اپنی پوری زندگی دیوبندیت کے پھیلانے میں لگادی۔ صد سالہ کے موقع پر دیوبند تشریف لے گئے، ۱۹۸۶ء کے شیخ الہند سیمینار میں بھی جانے کی تمنا تھی، تیاری بھی کچھ کر لی تھی، مگر وقت موعود آ پہنچا اور اس دنیائے فانی سے تشریف لے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اُن کے سانحۂ ارتحال کا صدمہ اوروں نے تو برداشت کر لیا، مگر اُن کا محبوب رسالہ ''الرشید''

اور محبوب اِدارہ ''جامعہ رشیدیہ'' اس حادثہ کی تاب نہ لاسکے۔افسوس کہ آج نہ یہاں ''الرشید'' ہے، اور نہ ہی ''جامعہ رشیدیہ'' اپنی اصل شکل میں موجود ہے۔

ساڑھے سات بجے رات میں جب ہماری گاڑی خانیوال اسٹیشن پر پہنچی تو قریبی مدرسہ دارالعلوم کبیر والا کے بہت سے اساتذہ وطلبہ حضرت مولانا سے ملاقات حاصل کرنے کے لئے اسٹیشن پر موجود تھے، گاڑی رکنے پر حضرت نے ملاقات کی، اُس کے بعد وہیں اسٹیشن پر موجود مجمع سے عظمت صحابہ پر خطاب فرمایا۔تقریر کے دوران نعروں کی گونج بھی سنائی دیتی رہی، تقریر کر کے ابھی مولانا مصافحہ ہی کررہے تھے کہ گاڑی کا سگنل ہوگیا، اور چند ہی منٹ بعد ہماری گاڑی پلیٹ فارم پر رینگ رہی تھی، اور ملاقات کے لئے آئے ہوئے حضرات پرنم آنکھوں سے حسرت کے ساتھ ہم کو الوداع کہہ رہے تھے۔

رات کے ۱۰ ربجے کے قریب ہماری گاڑی ملتان پہنچی، اسٹیشن پر صوفی اقبال صاحب مہاجر مدنی کے خلیفہ مولانا عابد صاحب کے علاوہ اور دوچار آدمی تھے، وہ لوگ گاڑی روانہ ہونے تک وہیں رہے۔ملتان سے اگلا اسٹاپ بہاول پور ہے، جہاں ۱۹۳۵ء میں علماء دیوبند خصوصاً امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے تاریخی اور مدلل بیان کی وجہ سے قادیانیوں کو تاریخی شکست وذلت سے دوچار ہونا پڑا تھا، اور اس مقدمہ میں محمد اکبر نامی مصنف نے پہلی مرتبہ بحیثیت ایک جج کے قادیانیوں کے مرتد ہونے کا اعلان کیا تھا۔

صبح کو تقریباً ساڑھے چھ بجے تیز گام ایکس پریس حیدرآباد سندھ پہنچی، یہ صوبہ سندھ کا کراچی کے بعد سب سے بڑا شہر ہے، یہاں تھوڑی بہت صنعت بھی ہے؛ لیکن اس علاقے کی زمین ناقابل کاشت ہے، ریت کے صحراء اکثر جگہ نظر آتے ہیں۔

حیدرآباد سے چل کر تقریباً تین گھنٹے کے بعد ساڑھے نو بجے کے قریب ہم لوگ کراچی پہنچ گئے، اسٹیشن پر حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ کے صاحب زادے مولانا محمد بنوری کے علاوہ قاری محمد شریف صاحب دہلوی مع احباب موجود تھے۔ہم لوگ اُن کے ساتھ کراچی شہر میں

داخل ہوئے، یہ پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے، ایک عرصہ تک یہ ملک کا دارالسلطنت بھی رہا ہے، یہاں کی بندرگاہ کا شمار دنیا کی بڑی بندرگاہوں میں ہوتا ہے۔ تقریباً ۶۰ / لاکھ کی آبادی پر مشتمل یہ شہر پورے پاکستان کی صنعت میں ۵۰ / فیصد حصہ دار ہے، اس کے گردونواح میں بڑی بڑی فیکٹریاں تیزی سے تعمیر کی جارہی ہیں۔

جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن

۱۰ / بجے کے قریب ہم لوگ ''جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن'' میں پہنچ گئے، مدرسہ کے مہمان خانے میں ہمارے قیام کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ پاکستان کا مشہور اور معیاری اسلامی مدرسہ ہے، اور فکر و مزاج میں دارالعلوم دیو بند سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ یہاں پچھلے سال دارالعلوم دیو بند سے فراغت پانے والے چند رفقاء بھی شعبۂ افتاء میں زیر تعلیم ہیں (مولوی روح الامین اور مولوی جعفر وغیرہ) یہ لوگ پہلے ہی سے مہمان خانے میں ہماری آمد کے منتظر تھے، اُن سے ملاقات کے بعد ہم لوگ نہا دھو کر مدرسہ کے دفتر اہتمام میں گئے، جہاں مدرسہ کے قائم مقام مہتمم مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب تشریف فرما تھے، روحانیت اور سادگیت سے بھرپور چہرہ، لب ولہجہ سے تواضع ٹپکتی ہوئی۔ یہ ہیں یہاں کے مفتی اعظم اور شیخ الحدیث حضرت مولانا ولی حسن صاحب؛ واقعی اسم با مسمی ہیں، اور اپنی تواضع وانکساری کی وجہ سے یہاں ہر شخص کے محبوب ہیں۔ آپ دارالعلوم دیو بند کے فاضل اور حضرت شیخ الاسلامؒ کے شاگرد رشید ہیں، اصل وطن ٹونک (ہندوستان) ہے، اب بھی آپ کے خاندان کے کچھ افراد ٹونک میں مقیم ہیں۔

''جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن'' محدث العصر، نمونۂ سلف حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ کا لگایا ہوا ایسا عظیم گلشن ہے جس کے رنگ برنگے پھولوں کی مہک آج پورے پاکستان میں محسوس کی جاسکتی ہے۔ اس وقت اس میں تقریباً ڈیڑھ ہزار طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں، جس میں دنیا کے تقریباً ۳۵ / ملکوں کے طلبہ شامل ہیں، بیچ شہر میں ہونے کے باوجود مدرسہ کا ماحول بفضلہٖ تعالیٰ علمی ہے، اور طلبہ حصولِ دین میں ہمہ تن مشغول نظر آتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانویؒ

دفتر سے اٹھنے کے بعد مدرسہ کے شمالی مغربی کونے پر واقع حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے مزار پر گئے، فاتحہ پڑھنے کے بعد ابھی مہمان خانے پہنچے بھی نہ تھے کہ ایک سفید ریش، درویش صفت صاحب نے حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ سے مصافحہ ومعانقہ کیا، ایسا محسوس ہوا کہ پہلے سے شناسائی ہے۔ شخصیت کے تعارف کا اشتیاق ہوا، معلوم ہوا کہ یہی ہیں پاکستان کے مشہور صاحب قلم اور جامعہ کے ترجمان ''بینات'' کے مدیر حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانوی زید مجدہم۔ ہم اُن کی تحریروں سے پہلے ہی غائبانہ متعارف تھے، آپ کی تحریر کیا ہوتی ہے، ایسا اثر اس میں گھولتے ہیں جو سخت سے سخت دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔ بینات میں شائع ہونے والے گراں قدر مقالات کے علاوہ آپ کی مستقل تصنیفات بھی ہیں، جن میں ''اختلاف اُمت اور صراطِ مستقیم'' نامی کتاب بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ آپ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کے خلیفہ اجل اور حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ کے خاص شاگرد ہیں، ختم نبوت تحریک سے آپ خاص لگاؤ رکھتے ہیں، اور اس کے لئے خوب تحریری خدمت انجام دیتے ہیں۔ ہمارے کراچی پہنچنے سے چند دن قبل ہی آپ افریقہ میں کئی مہینے قیام کے بعد واپس آئے ہیں، جہاں قادیانیوں کے ایک مقدمہ کے سلسلے میں آپ مقیم تھے۔ مولانا دیر تک بیٹھے افریقہ کے مقدمہ کی کیفیت سناتے رہے۔

ساڑھے بارہ بج چکے تھے، مولانا محمد بنوری تشریف لائے کہ کھانا تیار ہے، ہم لوگ مدرسہ احاطے میں واقع اُن کے دولت خانے پر گئے، کھانے کے بعد نماز پڑھی۔

مولانا مفتی محمد جمیل خان

ابھی نماز سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ مولانا محمد جمیل خاں تشریف لے آئے، ان سے راقم الحروف کی مدینہ منورہ میں حضرت مولانا محمد ہاشم بخاری دامت برکاتہم کی قیام گاہ پر ملاقات

ہوچکی تھی، اس لئے پہلے سے شناسائی اور تعارف تھا۔ یہ جامعہ بنوری ٹاؤن کے ہونہار فرزند، کراچی سے پونے تین لاکھ کی تعداد میں شائع ہونے والے روزنامہ ''جنگ'' کے اسلامی صفحہ کے ایڈیٹر اور سواداعظم اہل سنت کے سرگرم رکن ہیں، اپنے تدبر اور سوچ بوجھ کی وجہ سے علمی حلقوں میں اپنا اچھا اثر رکھتے ہیں۔ اپنا ذاتی اسلامی مجلّہ ''اقرا ڈائجسٹ'' بھی نکالتے ہیں، اس کے علاوہ کراچی کے مشہور اسلامی اسکولز ''اقرا روضۃ الاطفال'' کے سرپرست بھی ہیں، بڑے دلچسپ، بے تکلف اور مخلص آدمی ہیں، جب تک ہم لوگ کراچی میں رہے، اکثر وبیشتر ہمارے ساتھ رہے۔ مولانا مفتی محمد جمیل خاں کچھ دیر مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ سے باتیں کرتے رہے، اس کے بعد کھانے کی دعوت دے کر تشریف لے گئے، اور ہم لوگ ذرا کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹ گئے، عصر کے وقت آنکھ کھلی، نماز پڑھنے کے بعد مدرسہ کے اساتذہ وطلبہ نے مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ کو آکر گھیر لیا، اور ہم اپنے رفیق مولوی روح الامین کے ہمراہ چہل قدمی کے لئے باہر نکل آئے۔

جامعہ نیوٹاؤن کراچی شہر کے بالکل وسط میں واقع ہے، جہاں سے ایک دوفرلانگ کے فاصلے پر مسٹر محمد علی جناح کا مقبرہ ہے، اور جنوب مشرقی جانب عثمانی مسجد ہے، جس کے قریب علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور سید سلیمان ندویؒ کے مزارات ہیں، موقع غنیمت جان کر ان مزارات پر حاضری اور فاتحہ کی سعادت حاصل ہوئی۔

رات کا کھانا ہمیں مولانا مفتی محمد جمیل خان کے دولت خانے پر کھانا تھا، مغرب کے بعد موصوف اپنی جیپ لے کر آگئے، ہم لوگ پہلے ان کے ساتھ حضرت مولانا مفتی سید محمد اکمل صاحب زیدمجدہم کے دولت خانے پر گئے، مفتی صاحب حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ کے خصوصی اُستاذ اور یہاں کراچی کے ایک مشہور مدرسہ کے مفتی اعظم ہیں۔ موصوف پاکستان آنے سے قبل ایک عرصے تک دارالعلوم دیوبند میں اُستاذ رہے، اور خصوصاً حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم پر آپ کامل دستگاہ رکھنے والوں میں سے ہیں۔ مفتی صاحب کو ساتھ لے کر

ہم لوگ مولانا مفتی محمد جمیل خان کے گھر آ گئے، کھانے میں مولانا مفتی محمد جمیل خان کے والد محترم کے علاوہ سوادِاعظم اہل سنت کے سکریٹری جنرل مولانا محمد طیب نقش بندی بھی تھے۔

کراچی کی سیر

کھانے کے بعد حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ اور بھائی سید صاحب تو واپس بنوری ٹاؤن چلے گئے، اور ہم رات میں مولانا مفتی محمد جمیل خان کے ساتھ کراچی شہر کی سیر پر روانہ ہوئے۔ لاہور کے مقابلے میں یہاں سردی نہ ہونے کے برابر تھی، مولانا مفتی محمد جمیل خان کے ساتھ ہماری گاڑی میں جنگ کراچی کے ہفت روزہ ایڈیشن پروف ریڈر اور ''اقرا ڈائجسٹ'' کے منتظم جناب وسیم غزالی اور ''اقراء ڈائجسٹ'' کے مدیر مسئول جناب مولانا مفتی خالد محمود صاحب بھی ساتھ تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہماری گاڑی کراچی شہر کی بلند وبالا عمارتوں کے درمیان چوڑی شاہراہ پر دوڑ رہی تھی۔

کراچی ایک عظیم الشان تاریخی شہر ہے، آزادیٔ ہند کی کئی اہم تاریخیں اس شہر سے وابستہ ہیں، کراچی کی عدالت میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کا وہ بیان جس نے مولانا محمد علی جوہر کو مولانا کے قدم چومنے پر مجبور کر دیا تھا، آج بھی کراچی کے ذہن پر نقش ہے۔ کراچی کی جیل کو یہ شرف حاصل ہے کہ اُس نے دو سال تک شیخ الاسلامؒ کی میزبانی کی ہے، اور اس ذات بابرکات پر انگریز کے ان مظالم کا مشاہدہ کیا ہے جس نے اس زمانے میں پوری قوم کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ کراچی کے مضافات میں واقع کھڈہ نامی جگہ پر ایک مدرسہ مظہر العلوم تحریک شیخ الہندؒ کا عظیم مرکز تھا، جس کی قیادت مولانا محمد صادق کراچوی کرتے تھے۔ کراچی کے مغرب میں چند میل کے فاصلے پر واقع ''سبیلا'' نامی ایک جگہ ہے، جہاں حضرت مولانا صادق کراچوی کی بروقت کوششوں سے ایک موقع پر ۷ار ہزار انگریزی فوجوں کو ہلاکت اٹھانی پڑی تھی۔ مختلف تاریخی عمارتوں اور دفاتر کو دیکھتے ہوئے ہم لوگ کراچی کے جدید علاقے کلفٹن میں پہنچے، یہاں بڑے بڑے سرمایہ داروں اور وزراء کی کوٹیاں ہیں، انہی میں ایک کوٹھی سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی بھی ہے، ہم لوگ اس

علاقے پر سرسری سی نظر ڈالتے ہوئے ساحل سمندر پر واقع ایک تفریح گاہ میں پہنچے، یہاں سردیوں کی رات اور خنکی کے باعث بھیڑ کم تھی، اور اِکادُکا آدمی ہی دکھائی دیتے تھے، تفریح گاہ کے احاطے میں داخل ہوئے تو جگہ جگہ عجیب وغریب قسم کے الیکٹرانک جھولے لگے ہوئے تھے، کہیں کہیں مصنوعی جھیلیں بنی ہوئی تھیں، جن میں کشتیاں پڑی ہوئی تھیں۔ بعض جھولے اس طرح کے تھے کہ ان میں بیٹھ کر ایسا لگتا تھا جیسے ہم گیس کے غبارے میں بیٹھ کر اُڑ رہے ہیں، ایک جھولا بہت بڑی کشتی کے مانند تھا، وہ اِس قدر زور سے چلتا تھا کہ اس میں بیٹھنے والے کا اگر دل کمزور ہو تو وہیں ہارٹ فیل ہو جائے۔ بعض جھولے ہیلی کاپٹر کی طرح تھے، اُن میں ایک گیر لگا تھا، جس کو حرکت دینے سے وہ ہیلی کاپٹر بھی باقاعدہ اوپر نیچے ہوتا تھا۔ وہیں قریب ہی میں انجن نکلا ہوا ایک ہوائی جہاز کھڑا تھا، جس میں باقاعدہ سیٹیں لگی ہوئی تھیں، بچے اس میں جا کر بڑے لطف اندوز ہوتے ہیں، کچھ سیٹوں کے ہلانے کا بھی انتظام کر رکھا ہے۔ ہم لوگ بھی کچھ چیزوں کو دیکھ کر اور کچھ چیزوں کو برت کر لطف اندوز ہوتے رہے، اس کے بعد وہاں سے اپنی قیام گاہ پر واپس آ گئے، رات میں بارہ بج چکے تھے، اس لئے بستر پر لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔

جامعہ فاروقیہ میں حاضری

صبح ناشتہ کرنے کے بعد ہم لوگ بنوری ٹاؤن سے فیصل کالونی میں واقع ''جامعہ فاروقیہ'' کے لئے روانہ ہوئے، فیصل کالونی اُن بدنصیب مقامات میں سے ہے، جہاں پچھلے چند سالوں سے وقتاً فوقتاً سخت فسادات کی آگ بھڑکتی رہی ہے، جابجا جلی ہوئی دوکانیں اور توڑ پھوڑ کے نشانات تھے۔ ۹/ بجے کے قریب ہم لوگ جامعہ فاروقیہ پہنچ گئے، یہاں جامعہ کے مہتمم اور شیخ الحدیث نیز ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات ہوئی۔ موصوف کا شمار پاکستان کے جلیل القدر اور معتمد ترین بافیض علماء ربانیین میں ہوتا ہے، آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے تلمیذ رشید ہیں، آپ کا فیض دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ۱۹۶۷ء میں آپ نے

''جامعہ فاروقیہ'' قائم کیا، جو اِس وقت کافی ترقی پر ہے، مدرسہ کی چوطرفہ کثیر منزلہ عمارتوں کے نام ''قاسمی منزل''، ''رشیدی منزل''، ''مدنی منزل'' اور ''طیب منزل'' رکھے گئے ہیں، یہاں کے طلبہ ''وفاق المدارس'' کے امتحانات میں بھی اچھے نمبرات لانے میں مشہور ہیں، یہاں طلبہ کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے قریب ہے۔ جامعہ سے ''الفاروق'' نام سے عربی اور اُردو میں مجلّہ بھی نکلتا ہے۔

دارالعلوم کورنگی کراچی کی زیارت

جامعہ فاروقیہ دیکھنے کے بعد ہم لوگ کراچی سے ۸؍میل کے فاصلے پر واقع ''دارالعلوم کورنگی'' میں گئے، یہ پاکستان کا عمارت اور نظام تعلیم کے اعتبار سے مشہور مدرسہ ہے، مدرسہ کا اِحاطہ کافی وسیع ہے، اور عمارتیں بھی ہر شعبہ کی الگ الگ بہت خوب صورت ہیں، اور سلیقے سے تعمیر کی گئی ہیں، بچوں کا دارالتربیت الگ ہے، جس میں کئی سو بچے زیر تعلیم ہیں۔ یہ اِدارہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے جذبہ خلوص کی زندہ یادگار ہے، اِس وقت اس کے رئیس آپ کے بڑے صاحب زادے حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم ہیں۔ دفتر میں پہنچ کر حضرت موصوف سے ملاقات ہوئی، بہت ہی مسرت کا اظہار فرمایا۔ اِسی درمیان محقق العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم بھی تشریف لے آئے، موصوف کی بے تکلفی اور سادگی اور اُس پر اپنائیت کا اظہار دل کو موہ لینے والا تھا، دیر تک حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ سے گفتگو فرماتے رہے، اور اپنے مدرسہ کی ترقیات وغیرہ کے سلسلے میں مفید معلومات سے نوازا، اور دارالعلوم دیوبند کی ترقیات سن کر بہت محظوظ ہوئے۔ اس کے بعد ہم لوگ دارالعلوم کورنگی کی لائبریری دیکھنے گئے، یہ عمارت بڑی خوب صورت انداز میں بنائی گئی ہے، اوپر نیچے تین وسیع ہال ہیں، کتابوں کی ترتیب جدید اور عمدہ ہے۔

ساڑھے بارہ بجے کے قریب ہم لوگ کورنگی سے واپس آئے، ظہر کا وقت قریب تھا، نماز سے فراغت کے بعد حضرت مولانا مفتی سید محمد اکمل صاحب مدظلہ کے دولت خانے پر گئے، جو کھانے کے لئے منتظر تھے، اُن کے مکان پر مفتی صاحب کے بھائی حضرت مولانا سید اصلح الحسینی

صاحب سے بھی ملاقات ہوئی، مولانا موصوف بہت ہی باوقار اور بے مثال خداداد صلاحیتوں کے حامل ہیں، آپ کا تعلق گلاؤٹھی ضلع بلند شہر کے ایک سادات خاندان سے ہے۔ آپ کا شمار شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم تلامذہ اور خدام میں ہے۔ ۱۹۳۳ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، پھر بھوپال تشریف لے گئے، اور وہاں کی ''علماء کونسل'' کے رکن منتخب ہوئے۔ آپ کئی سال ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' کے ایڈیٹر بھی رہے، اور بھی بہت سے رسائل کی اِدارت فرمائی، اور ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۸ء تک دارالعلوم دیوبند میں فارسی کے مدرس بھی رہے۔ اُس کے بعد پاکستان ہجرت فرمائی، اور یہاں بھی بہت سے اِداروں میں اپنی خدمات پیش کیں۔ آپ خانوادۂ مدنی سے گہری عقیدت رکھتے ہیں، حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ سے ملاقات کر کے بہت ہی زیادہ مسرت کا اظہار فرمایا، عصر کی اذان سے قبل وہاں سے واپسی ہوئی۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد نماز عصر سے فراغت کے بعد ہم لوگ قریب ہی میں واقع عالمی مجلس ختم نبوت کے دفتر میں گئے۔ جناح کے مقبرہ کے مغربی جانب ایک مسجد ہے، جس سے ملحق چند بوسیدہ کمروں میں ایک عالمی تنظیم کا یہ دفتر قائم ہے۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا اصل مرکز تو ملتان میں ہے، مگر کراچی کے دفتر کو بھی مرکزی شہر ہونے کی وجہ سے مرکزی حیثیت حاصل ہے، یہیں سے مجلس کا انٹرنیشنل ہفت روزہ ''ختم نبوت'' نکلتا ہے، اور ہزاروں کی تعداد میں چھپ کر دنیا کے کونے کونے میں جاتا ہے۔ اس وقت پورے عالم میں قادیانیوں کے خلاف یہ تنظیم ڈٹ کر کام کر رہی ہے۔ آج پاکستان میں قادیانیوں کی ناطقہ بندی اسی جماعت کی بدولت ہے۔ عام طور پر پاکستانی عوام قادیانیوں سے شدید نفرت کرنے لگے ہیں۔ اس وقت اِس عالمی تنظیم کے سربراہ حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ ہیں، جو دارالعلوم دیوبند

کے فاضل اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے شاگرد رشید ہیں۔

کراچی کے دفتر میں ہمارا استقبال جناب مولانا محمد یعقوب باوا صاحب نے کیا، جو ہفت روزہ ختم نبوت کے مدیر اور مجلس کے بڑے فعال ممبر ہیں۔ اُنہوں نے مجلس کی کارگذاریاں، آئندہ منصوبوں اور دفاع کے طریقوں پر روشنی ڈالی، اور مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ سے درخواست کی کہ آپ ایسے افراد ہمارے پاس بھیجیں جو قادیانیت کے رد میں کام کرنے کا جذبہ رکھتے ہوں، ہم اُنہیں اپنے یہاں تربیت دے کر اُن سے کام لیں گے۔

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب

مغرب کی نماز ہم لوگوں نے دفتر کے قریب مسجد میں پڑھی، اس کے بعد حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہ کے دولت کدہ پر گئے۔ حضرت قاری صاحب واقعی اسم با مسمی ہیں، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے عاشق صادق اور متوسل ہیں، اور کراچی کی بہت ہی بافیض شخصیت ہیں، پوری زندگی قرآنِ کریم کی تعلیم وتعلم میں گذاری، اور سیکڑوں طلبہ نے آپ کے پاس حفظ قرآن کی سعادت حاصل کی ہے۔

آپ کا اصل وطن کیرانہ ضلع مظفرنگر ہے، ابتدائی اور متوسط تعلیم دہلی کے مدرسہ امینیہ اور مدرسہ عالیہ فتح پوری میں ہوئی، جب کہ ۱۹۳۹ء میں جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل سے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، آپ صاحبِ فتح الملہم حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نوراللہ مرقدہٗ کے خاص شاگردوں میں ہیں۔ اور کراچی میں سب سے پہلے ''فتح الملہم'' کی ابتدائی جلدیں آپ ہی کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہیں۔ آپ ۱۹۵۰ء سے جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں، اور ساتھ میں قرآنِ کریم کی تدریس کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ خانوادۂ مدنی سے آپ کو عشق کے درجہ کا تعلق ہے، جس کا اندازہ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ کی ملاقات پر بآسانی لگایا جاسکتا تھا، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ گویا آپ کے لئے

عید کا دن ہے، بہت پر تکلف دعوت کا انتظام تھا۔ہم لوگوں نے عشاء کے بعد وہیں کھانا کھایا، بعد ازاں جامعہ بنوری ٹاؤن واپس آ گئے۔

بنوری ٹاؤن میں پروگرام

صبح فجر کی نماز کے بعد حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ نے حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب دامت برکاتہم کی خواہش اور طلبہ دورۂ حدیث کے اصرار پر ترمذی شریف کا تبرکاً درس دیا، اور اُن کو حدیث کی اِجازت دی۔

بعد اَزاں ہم لوگ جامعہ بنوری ٹاؤن کی سہراب کوٹ (کراچی) میں واقع شاخ دیکھنے گئے، اس شاخ کا عمارتی رقبہ جامعہ بنوری ٹاؤن سے بھی بڑا ہے، اور عمارت نہایت خوب صورت اور دیدہ زیب بنائی گئی ہے، تقریباً ۶ رسو طلبہ یہاں زیر تعلیم ہیں۔حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی کی آمد پر سب مسجد میں جمع ہو گئے، مولانا نے کچھ دیر اُن کو نصیحتیں کیں، اس کے بعد وہاں سے واپس ہوئے۔

واپسی میں کراچی کے نو تعمیر شدہ تبلیغی مرکز بھی دیکھا، جو نہایت وسیع اور خوب صورت بنایا گیا ہے، مرکز کی مسجد میں بیک وقت تقریباً ۱۰ ر ہزار آدمی نماز ادا کر سکتے ہیں۔

تبلیغی مرکز دیکھنے کے بعد ہم لوگ بنوری ٹاؤن واپس آ گئے، ۱۱ ربج چکے تھے، اس وقت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ کی تقریر کا پروگرام تھا، مدرسہ کے سب طلبہ واساتذہ مسجد میں جمع تھے، حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ نے کچھ دیر خطاب فرمایا۔

مدرسہ انوار القرآن

نماز ظہر سے فراغت کے بعد ہم لوگ مولانا مفتی محمد جمیل خان کے ہمراہ کراچی کے بالکل کنارے پر واقع یوپی کالونی میں ''مدرسہ انوار القرآن'' میں گئے، یہ حضرت مولانا فداء الرحمٰن درخواستی کا مدرسہ ہے، مدرسہ کی عمارت نہایت حسین ہے، طلبہ تعلیم و تعلم میں مشغول تھے، مولانا فداء الرحمٰن اس مدرسہ کے مہتمم اور حافظ الحدیث مولانا عبد اللہ درخواستی صاحب کے بڑے صاحب زادے ہیں۔

موصوف شیخ الہند سیمینار کے موقع پر دیو بند بھی تشریف لائے تھے،اور ۱۰-۱۲/دن قیام فرمایا تھا۔

مدرسہ انوار القرآن سے واپسی میں ہم لوگوں نے ''اقرأ روضۃ الاطفال'' کی عمارت کو بھی دیکھا،اس اسلامک نرسری میں دو شعبے ہیں: ایک تحفیظ القرآن اور دوسرے عام معلومات، جس میں پرائمری درجات کے ساتھ ساتھ عربی اور انگلش بھی پڑھائی جاتی ہے۔ اس وقت اس نرسری میں ساڑھے بارہ سو بچے زیر تعلیم ہیں،اور نرسری کا نظام نہایت معقول اور قابل تقلید ہے۔

ہندوستان میں بھی بڑے بڑے شہروں اور قصبات میں ایسی نرسریاں قائم کرنے کی ضرورت ہے؛ تاکہ بگڑے ہوئے معاشرے کو سدھارنے میں مدد مل سکے۔

کراچی سے واپسی

اس کے بعد ہم لوگ بنوری ٹاؤن واپس آ گئے،عصر کی نماز پڑھی،عصر بعد لوگ ملنے آتے رہے۔اور مغرب کے بعد ہم لوگ بنوری ٹاؤن سے کراچی شہر کے ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے، ۷/بجے ملتان ایکسپریس میں ہماری سیٹیں ریزرو تھیں۔جس وقت ہم اسٹیشن پر پہنچے تو گاڑی پلیٹ فارم پر کھڑی تھی، جلد ہی متعینہ ڈبہ مل گیا، سامان رکھا، اسٹیشن پر مولانا مفتی محمد جمیل خان، مولانا محمد بنوری اور قاری محمد شریف صاحبان کے علاوہ مدرسہ میں زیر تعلیم طلبہ اور کچھ دوسرے حضرات بھی رخصت کرنے کے لئے آئے تھے، ٹھیک ۷/بجے ملتان ایکسپریس کراچی سے روانہ ہوئی۔ یہ ٹرین بھی تیز رفتار ہے، مگر تیز گام ایکسپریس کے مقابلے میں کم ہے، رات ٹرین میں گذاری، صبح تقریباً ۶/بجے ہماری گاڑی خان پور پہنچی، تو یہاں مولانا درخواستی کے نواسے اور مدرسہ مخزن العلوم کے کئی اساتذہ پر تکلف ناشتہ کے ساتھ موجود تھے، ہم لوگوں نے پلیٹ فارم پر اُتر کر نماز پڑھی۔

خان پور سے ایک دو کلو میٹر پر واقع دین پور نامی مقام تحریک شیخ الہند کا عظیم ترین مرکز تھا۔ مولانا ابوالسراج غلام محمد دین پوریؒ اس کے سربراہ تھے۔ ریشمی رومال والا خط آپ کے نام بھی آیا تھا، اس مرکز میں باقاعدہ اسلحہ بنانے کی فیکٹری بھی تھی مولانا غلام محمد دین پوری تحریک شیخ الہند کے ظہور میں آنے سے پہلے ہی سے ایک تحریک چلا رہے تھے، جب مولانا عبید اللہ سندھیؒ دیوبند تشریف لائے اور حضرت

شیخ الہندؒ نے اُنہیں اپنے مشن میں شامل کرلیا، تو یہ دین پور آئے، اور اپنے پیر بھائی ہونے کی وجہ سے مولانا غلام محمد دین پوریؒ کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ اپنی تحریک کو شیخ الہندؒ کی تحریک میں شامل کر دیں۔

الغرض یہاں ۱۵-۲۰ منٹ رکنے کے بعد ملتان ایکسپریس خان پور سے روانہ ہوئی، ایک صاحب خان پور سے ہمارے ساتھ ہوگئے تھے، وہ اگلے اسٹیشن پر ناشتہ کے برتن لے کر واپس چلے گئے۔

مدرسہ قاسم العلوم ملتان

صبح ۱۰ بجے ہم لوگ ملتان پہنچے، اسٹیشن پر قائد ملت مولانا مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ہونہار فرزند حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ اپنے بہت سے رفقاء کے ساتھ استقبال کے لئے موجود تھے۔ مولانا موصوف اِس وقت جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے جنرل سکریٹری ہیں، اور ملتان کے ''مدرسہ قاسم العلوم'' میں انتظام کے علاوہ حدیث کا ایک سبق بھی پڑھاتے ہیں۔ سیاسی سوجھ بوجھ میں اپنے ہم عصروں پر فائق ہیں۔

اسٹیشن سے ہم لوگ مدرسہ قاسم العلوم گئے، وہاں بہت سے لوگ جمع تھے، جو اخبار میں حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ کی آمد سن کر دارالعلوم دیوبند کے حالات معلوم کرنے آئے تھے۔ مولانا نے نہایت بسط وتفصیل کے ساتھ دارالعلوم کے احوال سنائے، دارالعلوم کی ترقیات سن کر وہ لوگ خوش ہوئے اور مادرِ علمی کے لئے خوب دعائیں کیں۔ اِس خصوصی مجلس سے اُٹھ کر حضرت مولانا دارالحدیث میں تشریف لے گئے، اور ایک حدیث کا درس دے کر طلبہ کو اجازت حدیث سے مشرف کیا۔

اِسی میں ساڑھے گیارہ بج گئے، ہمیں ڈیڑھ بجے ملتان سے روانہ ہونا تھا، اس لئے جلدی نماز سے فراغت حاصل کی، اور پھر قریب ہی میں واقع جامعہ خیر المدارس کی زیارت کرتے ہوئے اسٹیشن کے لئے روانہ ہوگئے۔

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے مزار پر

اسٹیشن کے راستے میں لب سڑک چند کچی قبریں ہیں، ہماری گاڑی اُن کے قریب آکر رک

گئی، اور چند ہی لمحات کے بعد ہم لوگ ایک قبر کے سامنے فاتحہ پڑھنے میں مشغول تھے، یہ کوئی عام قبرستان نہیں ہے، یہ کسی عام آدمی کا مزار نہیں ہے، یہاں کوئی عام مسلمان آسودۂ خواب نہیں؛ بلکہ یہاں اپنے وقت میں مجمعوں کے رخ پلٹ دینے والا، مخالفین کی محنتوں پر پانی پھیر دینے والا، باطل کو ناکوں تلے چنے چبانے والا، قادیانیوں کے سینے پر مونگ دلنے والا ایک ایسا عاشق رسول، مردِ مجاہد اور اللہ کا شیر سو رہا ہے، جس کی ہیبت سے آج بھی باطل دہل جاتا ہے۔ یہ دیکھئے: یہ امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی قبر ہے، اوپر سے نیچے تک مٹی سے ڈھکی، قریب میں کتبہ بھی نہیں، بس احاطہ کے باہر ایک بورڈ لگا ہے، جس میں آپ کا اسم گرامی لکھا ہوا ہے۔

حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اُمت مسلمہ کے لئے واقعی ''اللہ کی عطاء'' تھے، اللہ کی طرف سے ایسی نعمتیں کبھی کبھی قوم کو ملتی ہیں، آپ کی دلنواز خطابت، آپ کا عشق نبوی، آپ کی خودداری، آپ کی تواضع اور اسی کے ساتھ ساتھ آپ کا فقر وفاقہ آج بھی پاکستان میں زبان زد خواص وعوام ہے۔ تحفظ ختم نبوت کا میدان ہو یا احراریوں کی شجاعت وجرأت کا، پاکستان میں نفاذ اسلام کی تحریک ہو یا رنگیلا رسول کتاب کے دریدہ دہن مصنف کو گرفتار کرانے کا مشن؛ حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ہر جگہ تاریخ کے صفحات پر پوری شان وشوکت کے ساتھ موجود نظر آتے ہیں۔ یہ برصغیر کا وہ زبردست خطیب تھا، جو لاؤڈ اسپیکر کے عام ہونے سے پہلے ایک ایک لاکھ کے مجمع کو رات رات بھر خطاب کر کے اُن کے دلوں کو مسحور کر دیتا تھا۔ دلوں کو پلٹ دینا، نظریات کو بدل دینا، ضلالت کو ہدایت کا راستہ دکھانا، اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

زندگی بھر ایک فقیر کی طرح رہا، ادنیٰ سے ادنیٰ سنت بھی ہاتھ سے نہ جانے دی، آج بھی جن خوش نصیبوں نے اس عاشق رسول کی تقریریں سنی ہیں، وہ اس منظر کو سوچ کر تڑپ اُٹھتے ہیں، اور اُن کی حالت غیر ہو جاتی ہے۔

بقول آغا شورش کاشمیری: ''لوگ کبھی اس طرف سے گذریں گے، جہاں شاہ جی گرجتے اور گونجتے رہے ہیں، تو دلوں میں ہوک اُٹھا کرے گی کہ یہاں کبھی وہ مردِ مجاہد صرصر بہ آغوش راتوں

میں اپنا چراغ جلایا کرتا تھا، جس کی نوا پر یوں محسوس ہوتا تھا کہ قرونِ اولیٰ کا کوئی غزوۂ نقاب اُلٹ کر سامنے آ گیا ہے، یا پھر لوگ غارحراء کے اردگرد کھڑے ہیں، قرآن اتر آیا ہے، اور قند و نبات کی طرح گھلتا ہوا کانوں کے راستے سے دلوں کی انگوٹھی میں نگینہ کی طرح بیٹھتا چلا جارہا ہے؛ لیکن اب وہ رعنائی خیال کہاں؟''

یہ دیکھئے: سامنے اسی عطاء اللہ کی تربت ہے۔

جس کے بارے میں حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ: ''اُن کی باتیں عطاء الٰہی ہوتی ہیں''۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ: ''قادیانیوں کے خلاف اُن کی ایک تقریر ہماری پوری تصنیف سے بڑھ کر ہے''۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ: ''اُن کا دل صرف اسلام کے لئے دھڑکتا ہے''۔

مولانا محمد علی جوہر گویا ہوئے کہ: ''مقرر نہیں؛ ساحر ہیں، تقریر نہیں؛ جادو کرتے ہیں''۔

اور جس نے خود اپنے بارے میں یہ کہا تھا کہ: ''ختم نبوت کی حفاظت میرا جزو ایمان ہے، جو شخص بھی اس در کو چوری کرے گا، جی نہیں چوری کا حوصلہ کرے گا، میں اُس کے گریبان کی دھجیاں پھاڑ دوں گا''۔ میں میاں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہ جی میاں کہا کرتے تھے) کے سوا کسی کا نہیں، نہ اپنا نہ پرایا، میں اُنہیں کا ہوں، وہی میرے ہیں، جس کے حسن و جمال کو خود رب کعبہ نے قسمیں کھا کھا کر آراستہ کیا ہو، میں اُن کے حسن و جمال پر نہ مرمٹوں تو لعنت ہے مجھ پر اور اُن پر جو اُن کا نام تو لیتے ہیں، لیکن سارقوں کی خیرہ چشمی کا تماشہ دیکھتے ہیں''۔

ملتان کی سرزمین بڑی نصیبہ ور ہے کہ اس کے آغوش میں ایسا عاشق رسولؐ سو رہا ہے، جس کے عشق کی حرارت نے لاکھوں قلوب کی قسمتیں بدل دی تھیں، اُن کی سحر انگیز خطابت کے جوہر دیکھنے والے اکثر ظفر علی خاں کا یہ شعر پڑھتے سنائی دیتے ہیں:

کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول میں

بات کہیں سے کہیں نکل گئی، یہ موضوع ایک مستقل کتاب کا متقاضی ہے، اس کو پھر کسی موقع کے لئے چھوڑتے ہیں، آیئے! آگے چلتے ہیں۔

مولانا کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کے بعد ہم لوگ ملتان کے اسٹیشن پر پہنچ گئے، ہمیں اب ''اَباسین ایکسپریس'' سے لاہور جانا تھا، یہ ٹرین کوئٹہ سے پشاور جاتی ہے، گاڑی کچھ لیٹ تھی، تقریباً دو بجے اسٹیشن پر پہنچی، اور سوا دو بجے کے قریب وہاں سے روانہ ہوگئی۔ ملتان سے ہمارے ساتھ ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور کے نائب مدیر جناب ظہیر میر ایڈوکیٹ صاحب بھی ہوگئے تھے، راستہ بھر باتیں کرتے رہے۔ بالآخر چھ گھنٹے کے سفر کے بعد ہم لوگ ساڑھے آٹھ بجے کے قریب لاہور پہنچ گئے، اسٹیشن پر مولانا محمود میاں صاحب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ لینے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ہم لوگ ۹ ربجے کے قریب جامعہ مدنیہ پہنچ گئے۔

حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی زیدمجدہم کے لاہور پہنچنے سے پہلے ہی یہاں اعلان ہو چکا تھا کہ شیرانوالہ گیٹ کی جامع مسجد میں مولانا خطبہ جمعہ ارشاد فرمائیں گے، چناں چہ وعدہ کے مطابق حضرت نے خطبہ بھی دیا اور اس سے پہلے ''فضیلت یوم جمعہ'' پر ایک مبسوط تقریر بھی فرمائی۔ شام کا کھانا ہم لوگوں نے مولانا یاسین خان پوری صاحب کے دولت خانے پر کھایا۔

حضرت شاہ سید نفیس الحسینی

اگلے دن صبح کو حضرت مولانا تو جامعہ مدنیہ اپنی قیام گاہ پر ہی رہے، احقر قریب ہی میں واقع حضرت شاہ سید نفیس الحسینی صاحب زیدمجدہم کے دولت کدہ پر چلا گیا، موصوف حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے خلیفہ ہیں، بڑے اعلیٰ درجہ کے خطاط ہیں، اور اکابر ومشائخ دیوبند سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں۔ موصوف خانوادۂ سادات سے تعلق رکھتے ہیں۔ تحقیق کا مادہ بہت زیادہ ہے، خصوصاً سادات کے شجرے محفوظ رکھنے کا بہت شوق ہے۔ راقم کا بھی تعلق چوں کہ سادات بارہہ سے ہے، اِس لئے موصوف نے ہمارے خاندان کے بارے میں بھی کئی کتب کی نشان دہی فرمائی۔

حضرت شاہ صاحب موصوف سے دو تین گھنٹے تک مختلف موضوعات پر بات چیت ہوتی

رہی، اور چلتے ہوئے آپ نے یادگار کے طور پر اپنے دست مبارک سے لکھے ہوئے کئی طغرے عطا فرمائے، جن میں سے ایک طغریٰ خط ثلث میں ’’مدنی دارالمطالعہ‘‘ طلبہ دارالعلوم دیوبند کے لیٹر ہیڈ کے لئے تھا، جو بلا شبہ اپنی خوب صورتی میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس کے بعد ہم لوگ قاری رضی الرحمٰن صاحب دیوبندی مدظلہ کے دولت خانے پر گئے، یہاں کھانے کی دعوت تھی، کھانے سے پہلے حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ نے قاری صاحب کے مدرسہ کے طلبہ سے خطاب کیا۔ قاری صاحب موصوف حضرت شیخ الاسلامؒ کے عشاق میں سے ہیں، اہل دیوبند سے قریبی رشتہ داری ہے، اور بڑے مخلص آدمی ہیں، کھانے کے بعد ہم لوگ جامعہ مدنیہ آ گئے۔

قبل ازیں حضرت مولانا نعیم الدین صاحب زید مجدہم جو حضرت اقدس مولانا سید حامد میاں صاحب دامت برکاتہم کے داماد اور جامعہ مدنیہ کے مقبول اُستاذ ہیں، اُن سے بے تکلف ملاقاتیں رہیں۔ موصوف بہت ہی سنجیدہ اور باوقار شخصیت کے حامل ہیں، گفتگو کا انداز بہت ہی دلنشیں ہے، متعدد قیمتی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ آپ نے اپنا قلمی نام ’’انوار خورشید‘‘ رکھ رکھا ہے۔ آپ کی ضخیم کتاب ’’حدیث اور اہل حدیث‘‘ غیر مقلدین کے منفی پروپیگنڈے کی تردید میں ایک مثبت اور معتبر کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ ایک تجارتی کتب خانہ بھی چلاتے ہیں، اور اُس کے ذریعہ سے اہم اور مفید کتابیں شائع کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب کے تیسرے صاحب زادے مولانا سید مسعود میاں سے بھی دوستی کا تعلق قائم ہوا، جو ہمارے ہم عمر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اِن سب حضرات کو بہترین صلہ عطا فرمائیں، آمین۔

بہرحال وہ رات جامعہ مدنیہ میں گذاری، اگلے دن جب بیدار ہوئے تو پاکستان سے روانگی کی فکر سوار تھی، فجر کی نماز پڑھتے ہی سامان سمیٹنے کا کام شروع ہوا، ہمارے ساتھ کتابوں کے کئی بنڈل ہوگئے تھے، جو کافی وزنی تھے۔ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب تھانہ وغیرہ کی کارروائی مکمل ہوئی، اور ہم لوگ ۱۲ر بجے کے قریب واگھہ بارڈر کے لئے روانہ ہوئے۔ ہم نے ۱۵ر دن میں تقریباً نصف پاکستان کے اہم اور مرکزی مقامات کا مشاہدہ کیا تھا۔

پاکستان کی دینی ومعاشی حالت

پاکستان میں جہاں ہم نے بچوں کے لئے مدارس دیکھے،لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام دیکھا، جابجا ''نماز قائم کرو'' ''زکوٰۃ ادا کرو'' وغیرہ بورڈ لگے دیکھے، وہیں یہاں کے عام معاشرے کی مغربیت، اسلام بیزاری، عیاشی اورفحاشی کے ایسے نظارے بھی دکھائی دیۓ،جن کوسوچ کردل روتا ہے، روح تڑپتی ہے، کلیجہ منہ کوآتا ہے۔ پاکستان؛ جس کواسلام کے نام پر لاکھوں افرادکوقربان کرکےحاصل کیا گیا تھا، وہ قطعہ ارض؛ جس کی مٹی میں بےشمارفرزندانِ توحیدکابہتاہوااسلامی خون ملاہواہے، وہ تحریک جس کی کامیابی کااصل رازاسلامی نام تھا۔آج تک وہاں اسلامی نظام کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیرنہیں ہوسکا۔ لاہورجیسے خالص مسلم علاقے میں بڑی بڑی مسجدیں ہیں،مگر نمازی ایک ڈیڑھ صف سے زیادہ نہیں ہے،اورتواورجمعہ کی نماز میں مساجدخالی پڑی رہتی ہیں۔ بےپردگی عام ہے۔تفریحی اورعیاشی کےاڈےحکومت کی نگرانی میں چلتے ہیں۔ بازاروں میں کلبوں میں وی سی آر کی دوکانوں پرتھیٹراورسنیما گھروں میں،تماشےاورگانے باجے ہیں۔کرکٹ اورہاکی کےاسٹیڈیموں میں بھیڑکی بھیڑنظرآتی ہے۔الغرض ایک مسلم ملک میں جس طرح اسلامی شعائرکا مظاہرہ ہوناچاہئے،اس میں بہت کمی دکھائی دیتی ہے،اوریہاں کےفکرمندعلماءبھی اس صورتِ حال پرمتفکرہیں،اوراپنی حدتک کوششوں میں لگےہوئے ہیں۔

پاکستان میں عوام بہت امیر دکھائی دیتے ہیں، بڑےاچھےمکانات،عمدہ جدیدترین کاریں اورآرائش کےسامان ہیں،مگرحکومت کاخزانہ غیرملکی قرضہ کے بوجھ سے دباہواہے۔اِسی سے قومی ترقی کےمنصوبےالتواءمیں پڑے ہوئے ہیں،دوسرے یہ کہ ہرسطح پرکرپشن کابول بالاہے، غیرقانونی مالیت کی بہتات ہے۔

ہندوستان واپسی

تقریباً ڈیڑھ بجے ہم لوگ بارڈر پرپہنچ گئے، وہیں مسجد میں نمازظہراَدا کی،اُس کے بعد پاکستانی کسٹم حکام سے ملاقات ہوئی، بڑے اکرام سے پیش آئے، انہی میں ایک مظہرگیلانی

صاحب تھے، جو بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، اور مشائخ سے عقیدت رکھتے ہیں، وہ ہمیں ہندوستانی بارڈر تک پہنچانے آئے۔

ٹھیک دو بجے ہم لوگ ہندوستانی حدود میں داخل ہوئے، ڈھائی بجے کے قریب ہمارے پاسپورٹ ہندوستانی آفیسران کے پاس پہنچے، یہاں بھی ۵۰/روپئے فی پاسپورٹ رشوت کا سلسلہ جاری تھا، جو بادل ناخواستہ دئے گئے۔ اُس کے بعد کسٹم کا مرحلہ پیش آیا، کسٹم حکام نے ہمارے ایک ایک سامان کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھا، کتابوں کے بنڈل کھلوائے، اور کافی چھان بین کی۔ بالآخر ساڑھے چار بجے ہم اِس مرحلہ سے فارغ ہوکر باہر آئے۔

جب باہر نکلے، تو سرکاری بسیں جا چکی تھیں، چند ٹیکسی والے کھڑے تھے، اور منہ مانگی اُجرت مانگ رہے تھے، بمشکل ایک ٹیکسی والا امرتسر لے جانے پر تیار ہوا۔

جب امرتسر پہنچے تو فرنٹیر میل اسٹیشن پر کھڑی تھی، بمشکل تمام سیٹیں ملیں، اور رات ۸/بجے امرتسر سے روانہ ہوکر صبح پونے چار بجے سہارن پور پہنچے، وہاں سے دوسری ٹرین کے ذریعہ صبح ۶/بجے دیوبند پہنچنا ہوا، فالحمدللہ علیٰ ذلک۔